مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی

حفاظت و حُجّیتِ حدیث

M Ishaq

جس میں

DATA ENTERED

حدیث کی حفاظت اور اس کی حجیت سے متعلق تمام شکوک و شبہات کا نہایت اطمینان بخش جواب دیا گیا ہے۔

از

مولانا محمد محترم فہیم عثمانی

دار الکتب

مسجد مقدس دھوبی منڈی پرانی انارکلی لاہور

پھر اطاعت کے اثباتی پہلو کے بعد اس کا منفی پہلو بیان کرتے ہوئے رسول کے حکم سے مُنہ موڑنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس سب کے بعد وَأَنتم تسمعون کہا گیا ہے جس کا منشاء صاف یہ ہے کہ تم ہمارے ان تاکیدی احکام کو سنتے ہوئے ہمارے رسول کی اطاعت سے کبھی مُنہ نہ موڑو۔ اس وأنتم تسمعون کے مخاطب صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو اس وقت موجود تھے جس وقت یہ آیت نازل ہو رہی تھی یا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک زندہ تھے بلکہ ان الفاظ کے مخاطب وہ سب لوگ ہیں جو قیامت تک ایمان کے ساتھ قرآن کو سننے والے ہیں۔ یہ آیت ان سب پر لازم قرار دے رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم بھی ان تک پہونچے اس کے آگے وہ بلا چون و چرا سر تسلیم خم کر دیں۔

غرض اطاعت رسول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک محدود کرنے کا دعویٰ نہ عقل ہی کی میزان پر پورا اترتا ہے اور نہ قرآن ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لیے منکرین حدیث کا یہ دعویٰ قطعاً بلا دلیل ہے۔

مرکز ملت کی طرف حق اطاعت کی منتقلی

اسی طرح اس ضمن میں منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بھی دلیل کی حمایت سے قطعی محروم ہے کہ حامل وحی ہونے کے علاوہ باقی جتنی حیثیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھیں وہ سب آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشین یا مرکز ملت کو منتقل ہو گئیں اور اس طرح اطاعت کا وہ حق جو امام وقت ہونے کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا وہ آپؐ کے بعد آئندہ آنے والے امام وقت یا مرکز ملت کو منتقل ہو گیا اپنی طرف سے کوئی دعویٰ کر لینا بہت آسان ہے ثابت ہو جائے تو بات ہے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں منکرین حدیث کے پاس کوئی کمزور سے کمزور دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ وہ قرآن کی کوئی آیت ایسی پیش نہیں کر سکتے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حیثیات کی منتقلی اور حق اطاعت کے انتقال کا ذکر ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا ارشاد اپنے اس دعوے کے ثبوت میں وہ نہیں دکھا سکتے جس میں اس انتقال حیثیات و حق اطاعت

Marfat.com

کے بارے میں کوئی بالواسطہ یا بلا واسطہ اشارہ تک کیا گیا ہو آثار صحابہ میں سے کوئی ایسی روایت انہیں اپنی تائید میں نہیں مل سکتی جس میں خلفائے راشدین میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں فلاں حیثیات ہماری طرف منتقل ہو گئی ہیں اور مطاع ہونے کے لحاظ سے ہم اب اسی مقام پر فائز ہیں جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات تک فائز تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد بھی آج تک کے ادوار میں سے کسی دور میں بھی ایسی نظیر موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ علمائے امت میں سے کسی قابل ذکر آدمی کا کبھی یہ مسلک رہا ہو۔

کیا اللہ و رسول کی اطاعت سے امام وقت کی اطاعت مراد ہے

اس سلسلے میں منکرین حدیث کی جانب سے بے دے کر بار بار بس ایک ہی بات کہی جاتی ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت کی اطاعت ہے مگر اوّل تو یہی بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ یہ مراد آخر متعین ہوتی کس طرح؟ اس مراد کا تعین ہی اوّل تو محتاج دلیل ہے دوسرے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ منکرین حدیث ان متعدد آیاتِ قرآنی کا کیا کریں گے جن میں اللہ و رسول کی اطاعت کا ذکر کسی طرح بھی امام وقت کی اطاعت مراد نہیں لیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر وہی آیت لے لیجئے جو اس باب میں بنیادی آیت تصور کی جاتی ہے یعنی

یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول (النساء - ۵۹)	اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولوالامر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف۔

اس آیت میں اگر اللہ و رسول کی اطاعت سے امام وقت کی اطاعت مراد لی جائے تو اولوالامر یعنی امام کی اطاعت کا دوبارہ حکم دینا بے معنی

Marfat.com

تکرار بن کر رہ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں فان تنازعتم میں مرجع نزاع "اللہ و رسول" کو ٹھہرایا گیا ہے جو بقول منکرین حدیث خود امام وقت ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جس سے کسی معاملے میں اختلاف ہو اسی کو رفع اختلاف کے لیے ثالث تسلیم کر لیا جائے۔ کس قدر غیر معقول ہے یہ بات۔ اگر یہ کہا جائے کہ فان تنازعتم میں آپس کا اختلاف مراد ہے اور مرجع نزاع امام وقت ہے تو پھر "فردوہ الی اللہ والرسول" کے الفاظ بالکل بے محل نظر آتے ہیں کیونکہ اوپر اولی الامر منکم کا ذکر آجانے کے بعد فصاحت و بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ "فردوہ الی اللہ والرسول" کے بجائے "فردوہ الیہم" یا صاف "فردوہ الی اولی الامر" کہا جائے۔ غرض اس آیت میں کسی طرح بھی "اللہ و رسول" کو امام وقت کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔ اسی طرح اور بھی متعدد نظیریں قرآن سے پیش کی جا سکتی ہیں۔

اللہ، رسول اور امام یہ تینوں عربی زبان کے الفاظ ہیں کیا منکرین حدیث بتا سکتے ہیں کہ "اللہ و رسول" کے الفاظ سے امام وقت یا مرکز ملت کے معانی مراد لینا کونسا محاورہ اور کونسی لغت ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے مقصود امام وقت کی اطاعت کو اللہ رسول کی اطاعت کے مترادف قرار دینا ہے کیونکہ اس خیال کی ہی اگر کوئی حقیقت ہوتی تو قرآن میں کہیں تو اس مضمون کی بھی کوئی ایک آیت ضرور آتی کہ من یطع الامام فقد اطاع اللہ و الرسول (جس نے امام کی اطاعت کی اس نے اللہ و رسول کی اطاعت کی) جیسا کہ یہ واضح کرنے کے لیے کہ رسول کی اطاعت بعینہ اللہ کی اطاعت کے مرادف ہے قرآن نے بڑے ہی صریح الفاظ میں اعلان کیا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی نساء - ۸۰)۔

رسول کی اطاعت اور امام کی اطاعت میں بنیادی فرق

رسول کی اطاعت کو تو بعینہ اللہ کی اطاعت کہا جا سکتا ہے مگر امام کی اطاعت کو بعینہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ رسول کی اطاعت اور امام کی اطاعت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کے بیان، اس کی اراءۃ اور اس کی وحی کے ماتحت ہونے کی بنا پر فی الحقیقت اللہ ہی کی اطاعت

Marfat.com

ہوتی ہے مگر امام پر نہ وحی آتی ہے نہ اللہ کی طرف سے اس کی صواب رسی کی کوئی ضمانت دی گئی ہے وہ جو حکم دے گا اپنی صوابدید، اپنی فہم اور اپنے علم کے مطابق دے گا ظاہر ہے اس صورت میں اس کی اطاعت کو کسی طرح بھی اللہ و رسول کی اطاعت نہیں کہا جاسکے گا۔ اس حقیقت کو ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر بڑے واشگاف الفاظ میں واضح کرتے ہوئے فرمایا:

ایھا الناس ان الرای انما کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبا ان اللہ کان یریہ وانما ھو منا الظن والتکلف

(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۵)

لوگو! دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے (دین کے بارے میں) اس لیے صواب ہوتی تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے ہوا کرتی تھی۔ رہی ہماری رائے تو وہ تو محض ایک اٹکل ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک موقعے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کاتب نے حضرت عمرؓ کے فیصلے پر یہ الفاظ لکھ دیئے ھذا ما اری اللہ امیر المومنین عمر (یہ وہ فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین عمرؓ کے خیال میں ڈالا ہے) حضرت عمر نے دیکھا تو سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ یوں مت لکھو بلکہ یوں لکھو کہ ھذا ما اری المومنین عمر (یہ وہ فیصلہ ہے جو امیر المومنین عمرؓ نے خود اپنے خیال کے مطابق صادر فرمایا) جتلانا یہی مقصود تھا کہ ہم پر نہ وحی آتی ہے نہ ہم معصوم عن الخطا ہیں اور نہ ہماری رائے کو حفاظت ربانی کی ضمانت حاصل ہے اس لیے ہماری رائے کو صواب رسی میں رسول کی رائے کا مقام نصیب نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے جس کی رائے کا صواب اور درست ہونا یقینی نہ ہو اس کی اطاعت کو اس ہستی کی اطاعت کے ہم پلہ کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے جس کی اصابت رائے پر وحی الٰہی ضامن ہو۔

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام وقت یا مرکز ملت کی اطاعت کو اطاعت رسول کے قائم مقام قرار دینے کا لازمی طور پر یہ مطلب ہوگا کہ وہ خصوصیات جو اطاعت رسول کے لیے قرآن سے ثابت ہیں وہ سب کی سب امام وقت یا مرکز ملت کے لیے بھی مختص تصور کی جائیں حالانکہ ان میں سے کوئی ایک خصوصیت بھی امام وقت یا مرکز ملت پر صادق نہیں آتی۔

اطاعتِ رسُول کے خصائص مرکزِ ملّت کی اطاعت پر صادق نہیں آتے

اطاعتِ رسول کے جو خصائص قرآن سے ثابت ہیں وہ ہم ایک ایک کرکے گِناتے ہیں منکرینِ حدیث ان میں غور کرکے بتائیں ان میں سے کسی ایک کو بھی امامِ وقت یا مرکزِ ملّت کے حق میں مختص قرار دینا کسی طرح بھی معقول نظر آتا ہے؟ قرآن کا ارشاد ہے :

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجًا مما قضيت ويسلموا تسليما۔

(النساء : ٦٥)

سو آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ لوگ آپس کے جھگڑے میں آپ کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پُورا پُورا تسلیم کرلیں۔

اس آیت سے اطاعتِ رسول کی دو خصوصیتیں معلوم ہوئیں :

(۱) اوّل یہ کہ رسول کے فیصلے پر رضامندی شرطِ ایمان ہے جو شخص کسی معاملے میں رسول کے کیے ہوئے فیصلے سے اتفاق نہیں کرتا وہ مومن نہیں رہتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ رسول کی اطاعت کا حق تب ادا ہوتا ہے جب اپنے یہ معاملے رسول کے سپرد کردیا جائے پھر جو فیصلہ وہ کردے اس کو ہر طرح حق اور درست مانا جائے یہ اس فیصلے پر اس طرح بخوشی راضی رہا جائے کہ اپنے خلاف ہونے کی صورت میں دِل کے اندر بھی کوئی تنگی تک محسوس نہ ہو۔

اب امامِ وقت یا مرکزِ ملت کی اطاعت کو بعینہٖ رسول کی اطاعت قرار دینے والے ذرا سوچیں کیا مرکزِ ملت کی اطاعت بھی اسی درجے کی ہوگی اس سے اتفاق نہ کرنے [illegible] ایمان کے دائرے سے خارج سمجھا جائے گا؟ کیا مرکزِ ملت کی ایسی اطاعت ممکن بھی ہے کہ اس کے ہر فیصلے کو حق اور درست مانا جائے اور اپنے خلاف دیئے گئے کسی فیصلے میں ناگواری تک کا احساس نہ ہو؟

(۳) اطاعتِ رسول کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ رسول کا کیا ہوا ہر فیصلہ [illegible]

Marfat.com

ہوتا ہے اس کے فیصلے کے سامنے کسی مومن کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اس کے فیصلے سے انکار کرنے والا کھلی گمراہی کا مورد قرار پاتا ہے اطاعتِ رسول کی اس خصوصیت کے لیے سورۂ احزاب کی چھتیسویں آیت ملاحظہ کیجیے :

وما كان لمومن ولا مومنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا (الاحزاب : ۳۶)

اور کسی مومن یا مومنہ کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کردیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔

ظاہر ہے مرکز ملت کے فیصلے کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہوسکتی کہ اس کے بعد کسی کو کوئی اختیار رہی باقی نہ رہے۔ نہ مرکز ملت کے فیصلے سے انکار کرنے والے کو گمراہ کہا جاسکتا ہے اس لیے کہ گمراہی یا ہدایت کا دارومدار وحی الٰہی کے رد و قبول پر ہے اور مرکز ملت وحی الٰہی کی رہنمائی سے محروم ہے۔

(۴) اطاعتِ رسول کی ایک خصوصیت قرآن کریم ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ رسول کے کیے ہوئے فیصلے کی کہیں کوئی اپیل نہیں رسول جو حکم بھی دے دے اس کو سنتے ہی سرِ تسلیم خم کردینا ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

إنما كان قول المومنين إذا دعوا إلى الله ورسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا وأطعنا وأولئك هم المفلحون۔ (النور : ۵)

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا تو ایسے ہی لوگ تو فلاح یاب ہیں۔

اس آیت میں تو سمع وطاعت کا اثباتی پہلو بیان کیا گیا ہے کہ حکم رسول کے معاملے میں جو لوگ سمع و طاعت کا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ فلاح یاب ہیں اس کے منفی پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ اطاعتِ رسول کا اقرار کرکے اس سے سرتابی کر جاتے ہیں

Marfat.com

وہ مومن ہی نہیں ہیں - سورۂ نور ہی کی آیت ہے :

ویقولون آمنّا باللّٰہ و بالرسول و اطعنا ثم یتولّٰی فریق منھم من بعد ذلک ط وما اولٰئک بالمومنین (النور : ۴۷)	اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے اور ان کا حکم مانا پھر ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد سرتابی کر جاتا ہے اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں

سمع وطاعت کے اثباتی اور منفی دونوں پہلوؤں کو یکجا کر کے دیکھئے معلوم ہوتا ہے حکم رسول پر اطلاع پانے کے بعد مومن کے لیے اور کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ سر اطاعت جھکا دے رسول سے اوپر کوئی ہستی ہی نہیں کہ اس کے سامنے ایل کا سوال پیدا ہو خود رسول کے سامنے بھی چون وچرا کی گنجائش نہیں بس حکم رسول فوراً بجالائے ایمان کا تقاضا یہی ہے -

اطاعت رسول کی یہ خصوصیت بھی کسی طرح مرکز ملت پر صادق نہیں آتی تاریخ اسلام گواہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے کسی جانشین یعنی منکرین حدیث کی اصطلاح میں کسی مرکزِ ملت کی اطاعت کو اس کا مستحق نہیں سمجھا گیا کہ اس کے حکم کو ہر قسم کی تنقید سے بالاتر تصور کیا جائے حضرت عمر فاروقؓ جیسے رعبِ دبدبے کے حامل خلیفہ کے احکام کو ایک عام آدمی تنقید کا نشانہ بنا لیتا تھا اور جب تک قرآن وحدیث کی سند کے ساتھ اس کو مطمئن نہ کر دیا جاتا وہ تعمیل حکم سے صاف انکار کر دیتا تھا کوئی ایک نظیر بھی ایسی نہیں دی جا سکتی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ کسی بھی جانشین رسول نے یا دوسرے لفظوں میں کسی بھی مرکز ملت نے یہ کہا ہو کہ ہمارے احکام کے سامنے سمع وطاعت کا ایسا ہی مظاہرہ کرو جیسا رسول اللہ کے سامنے لازم تھا کیونکہ مرکزِ ملت کی اطاعت اطاعت رسول کے قائم مقام ہے -

(۵) اطاعت رسول کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کے نزدیک رسول کی اطاعت اجنبہ اللہ کی اطاعت ہے :

Marfat.com

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (النساء - ۸۰)	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔

گویا اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت دو جُدا جُدا حیثیتوں کی حامل نہیں ہیں بلکہ فی الحقیقت ایک ہی ہیں رسول کی اطاعت کی صورت میں بھی اطاعت دراصل اللہ ہی کی ہوتی ہے اس لیے کہ رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کچھ کہتا ہے جو اس پر وحی کی جاتی ہے۔

اس کے بالعکس مرکز ملت صاحب وحی نہیں ہوتا اس پر اللہ کی وحی نازل نہیں ہوتی وہ جو کچھ کہتا ہے اور جو فیصلہ دیتا ہے اپنی سمجھ بوجھ کے بھروسے پر دیتا ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے منکرین حدیث کو بھی انکار نہیں تو پھر ذرا بتلایئے اس خصوصیت کی موجودگی میں مرکز ملت کی اطاعت کو کس طرح اطاعتِ رسول کے قائم مقام قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۶) اطاعتِ رسول کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں یقینی طور پر اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے نیز وہ گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنتی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم (آل عمران : ۳۱)	آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

کیا مرکز ملت کی اطاعت کے بارے میں بھی یہ ضمانت دی جا سکتی ہے کہ وہ اللہ کی محبت حاصل کرنے کا ایک سبب اور گناہوں کی مغفرت کا ایک ذریعہ ہے ظاہر ہے ایسی کوئی ضمانت قطعاً نہیں دی جا سکتی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرکز ملت کی اطاعت کو اللہ کے رسول کی اطاعت کے مرادف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(۷) اطاعت رسول کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں ہدایت منحصر ہے جو شخص اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ہدایت پا لیتا ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے:

Marfat.com

وإن تطيعوه تهتدوا۔ (النور : ۵۴)	اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کروگے تو ہدایت پالوگے۔

کیا منکرین حدیث کے مرکز ملت کو بھی یہ مقام دیا جا سکتا ہے کہ جو اس کی اطاعت کرے بس وہی ہدایت یافتہ سمجھا جائے اور اس کی اطاعت سے انکار کرنے والا گمراہ ٹھہرے۔ یہی نہیں بلکہ جو عمل اس نے اس انکار سے پہلے کیے ہوں وہ بھی ضائع ہو جائیں کیونکہ

(۸) قرآن ہی میں اطاعت رسول کی ایک یہ خصوصیت بھی بتائی گئی ہے کہ اس سے انکار کرنے کا نتیجہ حبط اعمال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول ولا تبطلوا أعمالكم۔ (محمد : ۳۳)	اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو رائیگاں مت کرو۔

(۹) تعمیل حکم سے انکار کی صورت ہی میں حبط اعمال نہیں ہوتا اطاعت رسول کو تو قرآن نے وہ مقام دیا ہے کہ رسول کے سامنے اونچی آواز سے بولنے والا تک اپنے اعمال گنوا بیٹھتا ہے۔ سورۂ حجرات کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:

يا أيها الذين آمنوا لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض أن تحبط أعمالكم وأنتم لا تشعرون (حجرات : ۲)	اے ایمان والو اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

غور کرنے کی بات ہے کسی مرکز ملت کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے سامنے محض اونچی آواز سے بولنا یا کھل کر حفظ مراتب کا خیال کیے بغیر لاپروائی سے کلام کرنا حبط اعمال کا موجب بن سکتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح اطاعت رسول کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اندر

Marfat.com

معمولی معمولی اطاعت کو بھی سموئے ہوئے ہے حتیٰ کہ کسی خاص مجلس سے باہر نکلنا ہو تو اس کے لیے بھی رسول کی اجازت لینی ضروری ہے اس اجازت کو قرآن کمال ایمان کا معیار قرار دیتا ہے۔ سورۂ نور میں ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النور : ۶۲)	جو لوگ آپ سے اجازت لے کر جاتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

یہ دس خصوصیات ہم نے گنائی ہیں جو قرآن کریم سے صرف اطاعتِ رسول کے لیے ثابت ہوئی ہیں ان میں سے کوئی ایک خصوصیت بھی ایسی نہیں جو امامِ وقت یا مرکز ملت پر صادق آسکے ایسی صورت میں ہر صاحب عقل خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ اللہ و رسول کی اطاعت سے امام کی اطاعت مُراد لینا کہاں تک درست ہے۔

اطاعت رسول سے امامِ وقت یا مرکز ملّت کی اطاعت مراد لینے کے لازمی نتائج

ان خصوصیات میں ایک ایک کر کے غور کرتے چلے جائیے۔ ان میں سے کسی ایک خصوصیت کو بھی اگر امام کے لیے درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کے نتیجے میں ہمیں لازمی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ امام اپنی اطاعت کے لحاظ سے نبی کے مقام پر فائز ہے العیاذ باللہ امام کی اطاعت کو رسول کی اطاعت قرار دے کر منکرین حدیث کیا نبوت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں؟

اس کے علاوہ اس سلسلے میں ایک اور بات بھی بہت اہم ہے۔ منکرین حدیث نے اللہ و رسول سے امامِ وقت یا مرکز ملت تو مُراد لے لیا مگر یہ نہیں بتلایا کہ اس سے امامِ صالح مراد ہے یا امامِ فاسق اگر اس سے مطلق امام مُراد ہے خواہ وہ صالح ہو یا فاسق تو براہِ کرم یہ بھی بتلایا جائے کہ کیا امام فاسق کی اطاعت کو بھی ٹھیک ٹھیک اللہ رسول کی اطاعت سمجھا جا سکے گا اور اگر اس سے مُراد خاص امامِ صالح ہے تو پھر تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ

Marfat.com

خلافت راشدہ کے بعد تیرہ سو سال تک اللہ و رسول کی اطاعت کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہی اور اتنے طویل عرصے تک اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا نظام بالکلیہ معطل پڑا رہا کیونکہ خلفائے راشدین کے بعد تو کوئی شاذ و نادر ہی امام صالح ہوا ہے۔ "اللہ و رسول" سے مرکز ملت مراد لے لینے کے بعد اس مشکل کا پیش آنا لازمی ہے اس کا منکرین حدیث کے پاس کیا حل ہے۔ سوچنے کی بات ہے قرآن نے بے شمار مقامات پر بصراحت اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ہدایت اور نجات کا راستہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں منحصر ہے۔ اب اگر ہر جگہ اللہ و رسول کی اطاعت سے مراد امام وقت یا مرکز ملت کی اطاعت ہو تو یقیناً گذشتہ تیرہ سو سالوں میں اماموں کی اکثریت ایسی ہی ہے جن کی اطاعت کو "اللہ و رسول" کی اطاعت نہیں کیا جا سکتا۔ کیا یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس پورے عرصے میں مسلمانوں کے لیے راہ نجات و ہدایت مسدود رہی کیا یہ مان لیا جائے کہ اس تمام دور میں مسلمانوں کے پاس اپنے باہمی نزاعات رفع کرنے کی کوئی صورت ہی موجود نہیں رہی کیا یہ تصور کر لیا جائے کہ دین اسلام ایک ایسا آئین ہے جس پر عمل کرنا دنیا کی طاقت سے باہر ہے اگر آپ "اللہ و رسول" کی اطاعت سے مرکز ملت کی اطاعت مراد لیتے ہیں تو آپ کو یہ سب کچھ جو قطعاً خلاف عقل و نقل اور سراسر خلاف واقعہ ہے ماننا پڑے گا۔

کبھی منکرین حدیث نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ وہ تمام خصائص جو قرآن سے اطاعت رسول کے لیے ثابت ہوتے ہیں اگر وہ امام وقت یا مرکز ملت کی ذات میں مجتمع ہو جائیں تو عملی طور پر اس کا نتیجہ کیا نکلے گا وہ تمام آیات جو اس ضمن میں ہم نے ابھی پیش کی ہیں ذرا ان میں غور کیجیے مرکز ملت کی ذات میں یہ تمام خصائص مجتمع ہو جانے کی صورت میں ایسی بدترین آمریت قائم ہو گی کہ فرعونیت اور ہٹلر و مسولینی کی بدنام زمانہ ڈکٹیٹر شپ بھی اس کے سامنے ماند پڑ جائے گی ذرا خیال تو کیجیے جب حال یہ ہو کر مرکز ملت مسلمانوں کا دین و ایمان قرار پائے اس کے ہر حکم پر سر تسلیم کرنے والا تو مسلمان رہے مگر ہو بھی کسی معاملے میں اس سے اتفاق نہ کرے وہ ایمان کے دائرے سے خارج سمجھا جائے اس کو راضی کرنا ہر مسلمان کے لیے شرط ایمان قرار پائے اور جو شخص بھی اس کی اطاعت سے ذرا منہ موڑے اس کی نماز اس کا روزہ اس کی زکوٰۃ غرض اس کی ساری نیکیاں برباد ہو جائیں اس کے سامنے آواز بلند

Marfat.com

کرنے والا حتیٰ کہ اس کی مرضی کے بغیر اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہو جانے والا تک اللہ کا مجرم گردانا جائے تو ایسا مرکز ملت کس قدر زبردست آمر اور ڈکٹیٹر ثابت ہوگا اس کی آمریت کو تاریخ انسانی کی کسی آمریت سے بھلا کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

پھر کبھی منکرین حدیث نے اس پہلو پر بھی غور کیا کہ بنو امیہ کے بعد سے آج تک سارا عالم اسلام کبھی ایک دن کے لیے بھی ایک مرکز ملت کے تحت جمع نہیں ہوا اس زمانے میں بھی مسلمانوں کی حکومتیں متعدد ہیں جو مختلف سربراہوں کے تحت اپنا نظام حکومت چلا رہی ہیں تو اب کیا انڈونیشیا، ملایا، ایران، ترکی، پاکستان، عرب، مصر، لیبیا، اردن، شام، عراق، تونس اور مراکش وغیرہ میں سے ہر ایک کے "اللہ و رسول" الگ الگ ہوں گے؟ یا کسی ایک ملک کے "اللہ و رسول" کی زبردستی اپنی آمریت دوسرے ملکوں کے "اللہ و رسول" پر مسلط کریں گے؟ یا کیا اسلام کا سارا نظام اسوقت تک پورا کا پورا معطل رہے گا جب تک پورا عالم اسلام متفق ہو کر ایک "اللہ و رسول" کا انتخاب نہ کر لے؟ کاش منکرین حدیث نے ان عواقب پر غور کیا ہوتا جو "اللہ و رسول" سے امام وقت یا مرکز ملت مراد لینے کی صورت میں لازمی طور پر پیش آتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر انہوں نے صرف ان عواقب ہی پر غور کر لیا ہوتا تو منصب رسالت اور مرکز ملت کے تصور کو یوں گڈمڈ کر کے دین اسلام کا اس طرح حلیہ نہ بگاڑتے۔

Marfat.com

چند بے بنیاد اعتراضات اور ان کا تجزیہ

اب تک ہماری گفتگو کا محور زیادہ تر وہ اعتراضات رہے ہیں جن کو منکرین حدیث اپنی دانست میں علمی مسائل کا رنگ دے کر پیش کرتے ہیں اور جن سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ احادیث نبوی کی عدم حجیت اگر ثابت نہ ہو سکے تو کم از کم ان کی حجیت مشکوک ضرور ہو جائے۔ لیکن جب علمی بساط پر ان کی یہ کوشش کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی تو پھر وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتے ہیں پھر وہ سارا زور اس پر صرف کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ کسی طرح عام سادہ لوح مسلمانوں کی نظر میں احادیث کے موجودہ ذخیرے کو بے وقعت اور ناقابل اعتماد ثابت کر دیا جائے۔ اس ضمن میں جتنے اعتراضات ان کی طرف سے کیے جاتے ہیں وہ اگرچہ اس قابل تو نہیں کہ ان کو وزن دیا جائے لیکن چونکہ زیر نظر تحریر سے ہمارا مقصود ہی منکرین حدیث کی ان شاطرانہ چالوں کو آشکار کرنا ہے جو وہ ناواقف حال عام مسلمانوں کے اذہان کو مسموم کرنے کے لیے چلتے ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان اعتراضات کی بھی اصل حقیقت واضح کر دی جائے تاکہ وہ لوگ جو بے چارے دین سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی بنا پر منکرین حدیث کی چالوں کو سمجھ نہیں پاتے ان کے فریب کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔

بے بنیاد اعتراضات

اس سلسلے میں ہم اپنی گفتگو صرف ان اعتراضات کے تجزیے تک محدود رکھیں گے جن کو منکرین حدیث کے یہاں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ایسے اعتراضات مختصراً حسب ذیل ہیں:

(۱) احادیث نبوی کا موجودہ ذخیرہ ناقابل اعتبار ہے اس لیے کہ اس ذخیرے میں موضوع احادیث بہت کثرت سے شامل ہیں اور یہ صحیح و غیر صحیح اس طرح مخلوط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔ جھوٹی احادیث کا سلسلہ عہد رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا جعلی اور جھوٹی حدیثوں کا انبار لگتا چلا گیا۔ موضوع احادیث کی کثرت کا اندازہ اس

Marfat.com

بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کے زمانے میں چھ لاکھ حدیثیں رائج تھیں جن میں سے امام صاحب نے صرف نو ہزار کو صحیح احادیث کی حیثیت سے منتخب کیا۔

(۲) بعض احادیث خلاف عقل و درایت ہیں لیکن اس کے باوجود محدثین کے یہاں انہیں صحت کا درجہ حاصل ہے۔

(۳) بعض صحیح احادیث عریاں مضامین پر مشتمل ہیں۔

(۴) بعض صحیح احادیث علم اور تجربے کے معیار پر پوری نہیں اُترتیں۔

(۵) اکثر احادیث باہم متعارض ہیں اور متعارض اشیاء ساقط الاعتبار ہوتی ہیں لہٰذا احادیث بھی تعارض کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہوئیں۔

(۶) اکثر احادیث کی روایت بالمعنیٰ ہے یعنی راوی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہی محفوظ نہیں تو مفہوم کے بارے میں کیسے یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ محفوظ ہے۔

(۷) سب سے زیادہ احادیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہیں اور ابو ہریرہ کا حال یہ ہے کہ خود صحابہ کے درمیان ان کو ناقابل اعتماد تصور کیا جاتا تھا۔

(۸) امام ابو حنیفہ نے مسائل فقہی کے استنباط کے لیے صرف ۱۷ یا ۱۸ احدیثوں پر اعتماد کیا ہے ورنہ جملہ احکام و مسائل کا بھی اُنہوں نے استنباط کیا ہے ان سب کی بنیاد قرآن کی مکتوب ہدایات پر رکھی ہے اگر امام ابو حنیفہ یہ حق رکھتے تھے کہ حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کی تعبیر اس وقت کے حالات کی روشنی میں کریں تو بعد میں آنے والوں کو یہ حق کیوں نہیں کہ وہ قرآن کی تعبیر اپنے وقت کے حالات کو مدنظر رکھ کر حدیث کی مدد کے بغیر کر سکیں۔

یہ ہے خلاصہ ان اعتراضات کا جو حدیث کی وقعت کو کم کرنے اور حدیث پر عام مسلمانوں کا اعتماد مجروح کرنے کی خاطر منکرین حدیث کی جانب سے بار بار مختلف انداز بدل بدل کر بڑے شد و مد سے اُچھالے جاتے ہیں۔ اب ہم ایک ایک کر کے ان تمام اعتراضات کا بے بنیاد ہونا واضح کرتے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ موضوع احادیث کی موجودگی سے غلط استدلال

منکرین حدیث کا پہلا اعتراض وضع حدیث سے متعلق ہے ان کا کہنا ہے کہ چونکہ موضوع احادیث بہت کثرت سے ہیں اس لیے احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتماد ہو گیا ہے۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ موضوع احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں مگر منکرین حدیث کی یہ منطق کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں کہ ان کی موجودگی احادیث کے تمام ذخیرے کو ساقط الاعتبار بنا دیتی ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ دنیا میں جھوٹ کی موجودگی سچ کو ناقابل اعتبار بنا دینے کی موجب ہے۔ کیا کسی معاشرے میں جھوٹوں کا وجود اس معاشرے کے سچے لوگوں کو بھی جھوٹا بنا دیتا ہے۔ دنیا میں کونسا ملک یا کونسا شہر ایسا ہے جہاں جھوٹے افراد نہیں بستے تو کیا ان جھوٹوں کی وجہ سے یہ حکم لگا دینا صحیح ہے کہ اس ملک یا اس شہر کے تمام باشندے جھوٹے ہیں۔ ہر زمانے میں سچ کے ساتھ ساتھ جھوٹ کا سلسلہ برابر لگا چلا آ رہا ہے مگر آج تک جھوٹ کی وجہ سے سچ کو کسی نے نہیں چھوڑا۔ منکرین حدیث کی یہ نرالی منطق ہے کہ چونکہ جھوٹی احادیث کا وجود پایا جاتا ہے اس لیے سچی اور صحیح احادیث پر بھی اعتماد نہ کیا جائے۔ بعض احادیث کے موضوع اور مبنی بر کذب ہونے سے یہ کہاں لازم آیا کہ کل ذخیرۂ حدیث مرفوع اور ناقابل اعتبار بن گیا۔ یہ بعض کا حکم کل پر لگانا کونسا اصول ہے؟

دراصل منکرین حدیث کی اس منطق کی بنیاد اس غلط مفروضہ پر ہے کہ احادیث کے ذخیروں میں صحیح و غیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے حقیقت یہ ہے کہ جس وقت سے تجلی اور موضوع احادیث کا سلسلہ شروع ہوا اسی وقت سے محدثین اور ائمہ مجتہدین نے اپنی تمام کوششیں اس بات پر مرکوز رکھیں کہ موضوعات کا یہ ذخیرہ کسی راہ سے بھی احادیث کے معتبر اور قابل اعتماد ذخیروں میں نفوذ نہ کر پائے۔ حفاظ محدثین نے صحیح اور غیر صحیح کو ایک دوسرے سے ممیز کرنے کے لیے باقاعدہ قواعد و ضوابط بنائے، جھوٹے اور سچے راویوں کی پہچان کے لیے علم اسماء الرجال ایجاد کیا، کھرے کھوٹے میں تمیز کے لیے علم جرح و تعدیل مدون کیا

Marfat.com

پھر ایک ایک حدیث کو جانچا اور ایک ایک راوی کو پرکھا موضوعات کو الگ کر دیا اور معتبرات کو علیحدہ نکال لیا۔ ہر روایت کی سند متعین کی اور ہر راوی کا نام پتہ اور حال سب کچھ منضبط کر دیا۔

حضرات محدثین نے حدیث کی صحت اور تنقید کا معیار بھی بتلایا اور موضوعات پر باقاعدہ کتابیں بھی لکھیں انہوں نے ایک ایک واضع حدیث کا پتہ لگا کر اس کا نام رجال کی کتابوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا ایک ایک جھوٹی اور موضوع حدیث کا کھوج لگا کر احادیث موضوعہ کے مجموعے مرتب کر دئے جن میں خوب واضح طور پر یہ بتلایا کہ یہ حدیثیں جعلی ہیں ان کو کوئی اصل حدیث نہ سمجھے جس حدیث پر بھی کلام کیا اولاً اس کی سند بتلائی پھر اس کے راویوں کے صدق وکذب اور ان کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے نیز ان کے حافظے کی قوت وضعف پر بحث کر کے نتائج مرتب کیے پھر کسی حدیث پر کوئی حکم لگایا بے دلیل کوئی حکم نہیں لگایا اگر کسی حدیث کے موضوع اور غیر موضوع ہونے میں علمائے حدیث کا اختلاف ہوا تو وہ تمام اختلاف بھی من وعن بیان کر دیا تاکہ ہر کوئی خود دیکھ لے پرکھ لے اور کھرا کھوٹا الگ کر لے۔ اس قدر تنقیحات کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحیح وغیر صحیح احادیث آپس میں خلط ملط ہیں تو اس پر اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ روزِ روشن میں سورج کے وجود سے انکاری ہے۔

منکرین حدیث نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھی عام مصلحین عالم کے اقوال کی طرح سمجھ لیا ہے کہ جس نے چاہا ان کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہہ دی اور لوگوں نے محض ان کے نام کی نسبت کے رعب میں آکر اسے قبول کر لیا کسی نے ان کی صحت وعدم صحت کی تحقیق کی ضرورت ہی نہ سمجھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عام مصلحین عالم کے اقوال کی طرح نہ تھے کہ ان کا تعلق محض چند مبنی بر اخلاق نصائح سے ہو یا وہ فلسفہ حیات انسانی کے چند علمی نکات تک محدود ہوں جن کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے کہ ان کے قائل کی طرف نسبت اگر درست نہ بھی ہو تو نفس مضمون پر اور اس سے مستنبط نتائج میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور

Marfat.com

اسی لیے ان کے بارے میں تحقیق و تفتیش کی زحمت بھی کوئی نہیں اٹھاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا معاملہ بالکل جُدا ہے وہاں تو آپ کے ایک ایک ارشاد پر ایک ایک اسلامی قانون کی بُنیاد رکھی جا رہی تھی آپ کے ایک ایک فعل کو نظیر بنا کر شریعتِ اسلامی کی عمارت کی تعمیر میں ایک ایک اینٹ نصب کی جا رہی تھی۔ آپؐ کی سنت کو دینِ اسلام کے بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل تھی۔ آپؐ کی طرف کسی معمولی سے معمولی بات کی غلط نسبت اسلامی قوانین کے پورے ڈھانچے پر اثر انداز ہو سکتی تھی۔ بھلا ایسی صورت میں یہ خیال کرنا کسی طرح بھی درست مانا جا سکتا ہے کہ واضعینِ حدیث جھوٹی احادیث وضع کرتے رہے اور محدثین بغیر کسی تحقیق کے انہیں اپنے مجموعوں میں شامل کرتے چلے گئے۔

محدثین نے قبولِ حدیث کے لیے جو اُصول ابتدا ہی سے بالاجماع مقرر کر دیے تھے ان کی موجودگی میں یہ تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی جھوٹ نے مجموعہ ہائے احادیث میں اس طرح راہ پائی ہو کہ محدثین اس کی نشان دہی کرنے سے قاصر رہ گئے ہوں۔

نقدِ رواۃ حدیث

روایانِ حدیث پر نقد و جرح فنِ حدیث کا ایک عظیم باب ہے اس کے ذریعے علمائے حدیث نے احادیثِ صحیحہ و سقیمہ کو باہم ممیز و ممتاز کرنے کا ایسا عظیم الشان کام انجام دیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے محدثین نے اس سلسلے میں جہد و سعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں اُنہوں نے تمام روایانِ حدیث کو جانچا پرکھا ان کی حیات ان کی سیرت حتیٰ کہ ان کی عادات تک کا مطالعہ کیا۔ اُنہوں نے ان کے تمام ظاہری و باطنی امور کا بخوبی جائزہ لیا اس راہ میں انہیں نہ کسی کی ملامت کا خوف دامنگیر ہوا نہ کسی لالچ نے ان کا راستہ روکا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے جانے والے جھوٹ کے قبول کرنے کا تو خیال ہی کیا محدثین نے تو یہاں تک کیا کہ جس راوی کو کسی ایک حدیث میں انہوں نے دروغ گوئی کا مرتکب پایا اس راوی کی باقی احادیث کو بھی انہوں نے مشکوک قرار دے دیا۔ یہی نہیں محدثین نے اس شخص کی حدیث بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کا حافظہ

Marfat.com

رسول کی روایت میں تو جھوٹ ثابت نہ ہو لیکن دیگر باتوں میں وہ جھوٹ بولنے کا عادی ہو بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر محدثین نے تو احتیاط کی انتہا کر دی اس سے زیادہ احتیاط عقل تصور کرنے سے قاصر ہے اُنہوں نے ایک اُصول کی حیثیت سے یہ طے کر دیا کہ جس شخص نے اپنی پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی دروغ گوئی کا ارتکاب کیا ہو اس کی حدیث قبول نہ کی جائے بھلا کوئی حد ہے احتیاط کی! فلسفۂ تاریخ کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے کہ جھوٹے کی ہر بات کا جھوٹا ہونا ضروری نہیں" عربی میں بھی ایک مقولہ ہے الکذوب قد یصدق (جھوٹا بھی کبھی سچ بول دیتا ہے) مگر محدثین کی احتیاط کا عالم ملاحظہ کیجئے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جس شخص کا مدت العمر میں ایک مرتبہ بھی جھوٹ ثابت ہو جائے اس کی کوئی روایت معتبر نہیں۔

اس بات سے بچنے کے لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کوئی غلط بات کہیں حدیث کا درجہ حاصل نہ کر لے محدثین نے یہاں تک اہتمام کیا کہ اس روای کی روایت بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کے بارے میں یہ گمان ہی پیدا ہو گیا کہ شاید بھولے سے یا کسی غلطی کی بنا پر یا کم فہمی و بدفہمی کے نتیجے میں وہ روایت کی صحت کو برقرار نہ رکھ سکا ہو۔ چنانچہ بالاجماع سلسلۂ سند کے ہر راوی کے لیے انہوں نے یہ اصول قرار دے دیا کہ حدیث اس راوی کی قبول کی جائیگی جو:

(۱) صحیح الفہم ہو، غبی بدعقل اور بدفہم نہ ہو یعنی جو حدیث کے سمجھنے میں غلطی نہ کرتا ہو۔

(۲) صحیح الحافظہ ہو یعنی جس پر نسیان اور وہم کا غلبہ نہ ہو۔

(۳) محتاط ہو روایت میں سہل انگاری سے کام نہ لیتا ہو۔

اور تو اور محدثین نے اس راوی کی روایت کو بھی قابل قبول نہیں سمجھا جو فاسق و فاجر اور بدکار ہو حالانکہ ہر بدکردار شخص کا جھوٹا ہونا ضروری نہیں لیکن چونکہ بدکردار شخص کے بارے میں احتمال موجود ہے کہ فسق و فجور کی بنا پر اس کی نگاہ میں حدیث رسول کی روایت میں احتیاط کی اہمیت جس قدر کہ لازم ہے نہ رہی ہو اس لیے اس کی روایت کو بھی معتبر نہیں جانا اور یہ شرط لگا دی کہ روایت اس راوی کی قبول کی جائے جو ثقہ اور متقی

Marfat.com

ہو نیز معروف ہو مجہول نہ ہو یعنی اہل علم اور اہل تقویٰ اس کے نام، نسب، کردار اور اس کے علم، حفظ اور ثقاہت سے واقف ہوں اور ان کی نظر میں اس کی رفتار و گفتار، اس کے حال احوال اور اس کا عام کردار قابل اعتراض نہ ہو۔

اس کے ساتھ ہی محدثین نے روافض کی مرویات کو بھی مردود قرار دے دیا اس لیے کہ روافض وضع حدیث میں پیش پیش تھے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اولین واضع ہی یہ لوگ تھے انہوں نے حضرت علی اور اہل بیت کے فضائل و مناقب پر مشتمل بکثرت حدیثیں وضع کی تھیں چنانچہ محدثین نے یہ اصول بنا دیا کہ روافض کی روایت قبول نہ کی جائے اگرچہ علماء نے حدیث نے بعض ایسے شیعہ راویوں کی روایات قبول کی ہیں جو صدق و امانت میں معروف تھے اور تقیہ کے قائل نہ تھے لیکن محدثین کسی شیعہ راوی کی روایت اس صورت میں بالکل قبول نہیں کرتے جب وہ اپنے مخصوص مسلک کی تائید و حمایت میں کوئی حدیث روایت کر رہا ہو یا اس کا تعلق کسی ایسے گروہ سے ہو جو بعینہ کو حلال سمجھتا ہے۔ یہی طرز عمل محدثین کا دیگر مبتدعین کے بارے میں بھی ہے کسی ایسے بدعتی کی روایت جو اپنے مسلک کا داعی ہو ان کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

وضع حدیث کے اسباب و وجوہ میں سے ایک سبب چونکہ زنادقہ بھی تھا ان کا مراد یہ ہے کہ اسلام کو ایک دین و مذہب کے اعتبار سے بدنام کرنا ہو اور دیکھا جائے۔ گروہ زنادقہ نے دین حنیف میں بگاڑ پیدا کرنے اور مذہب بنانے کی زیادہ میں اس کی وقعت کو کم کرنے اور عوام کے [illegible] پیدا کرنے اور [illegible] پھیلانے کے لیے ہزاروں حدیثیں وضع کر ڈالی تھیں اس لیے محدثین نے ان کے بارے میں یہ تحقیق مہیا کی کہ اس کا تعلق گروہ زنادقہ سے ہے تو اس کی [illegible] کو انہوں نے مردود قرار دے دیا۔

[illegible] ایک طرف اگر واضعین حدیث تھے تو دوسری طرف محدثین کی [illegible] نقد رواۃ و رجال کی کسوٹی تھی جس نے کذابوں اور [illegible] کر رکھ دیا [illegible] ایسا محیر العقول کارنامہ انجام دیا کہ علم حدیث [illegible]

تنقیح متن حدیث

پھر اسی پر اکتفا نہیں راویوں کی جانچ پڑتال کے ساتھ ساتھ محدثین نے متن حدیث میں بھی ایسے علامات کی نشان دہی کر دی جن سے صاف معلوم ہو جائے کہ کونسی حدیث موضوع ہے اور کونسی نہیں۔ چنانچہ ذیل میں سے کوئی امر اگر کسی حدیث میں پایا جائے تو علمائے حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ موضوع ہے۔

(۱) جو حدیث قرآن کی عبارۃ النص کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو۔

(۲) جو حدیث کسی سنت متواترہ کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

(۳) جو حدیث قرآن و سنت سے ماخوذ قواعد عامہ کے صریحاً خلاف ہو

(۴) جو حدیث اجماع قطعی یعنی اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف ہو اور کسی طرح اس کی توجیہ و تاویل نہ کی جا سکتی ہو۔

(۵) جو حدیث عہد رسالت کے معروف تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔

(۶) جو حدیث کسی معمولی کام کے صلے میں مبالغہ آمیز اجر و ثواب کا پتہ دیتی ہو یا اس معمولی کام کے مرتکب ہونے پر شدید عذاب کی وعید کا ذکر ہو۔

(۷) جو حدیث کسی ایسے واقعے پر مشتمل ہو جو بہت سے لوگوں کے سامنے وقوع پذیر ہوا ہو اور اس بنا پر اس کا متقاضی ہو کہ بکثرت لوگ اس کو روایت کریں مگر بایں ہمہ صرف ایک ہی راوی اسے روایت کرے۔ یا اس واقعہ میں شریک ہونے والے اس کے خلاف اس قدر کثرت سے روایت کریں کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن ہو۔

(۸) جو حدیث کسی ایسے مضمون پر مشتمل ہو جس کو عقل بداہتہً رد کرتی ہے لیکن اس میں ہر کہ و مہ کی عقل معیار نہیں بلکہ علماء اور ماہرین فن حدیث اس کو خلاف عقل قرار دیں۔ محدثات عرب سے ناواقف اور حدیث کے علوم سے بے بہرہ افراد کی رائے اس باب میں قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتی۔

(۹) جو حدیث ایسے علوم متعارفہ کے مخالف ہو کہ جن کے اصول مشاہدوں اور بے شمار تجربوں کے بعد قائم کیے گئے ہوں اور ان سے ہمیشہ ایک ہی جیسے ایسے نتیجے برآمد ہوتے ہوں جن میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔

Marfat.com

(۱۰) جو حدیث ایسے مضمون کی حامل ہو جس کا جاننا تمام مکلفین پر فرض ہو اور نہ جاننے کے لیے کوئی عذر بھی نہ ہو مگر بایں ہمہ اس کا روایت کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی نہ ہو۔

(۱۱) جو حدیث ایسے رکیک اور گھٹیا الفاظ پر مشتمل ہو جن کا صدور کسی عام فصیح و بلیغ شخص کی ذات سے متوقع نہ ہو چہ جائیکہ سید الفصحا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ان کا صدور ہوا البتہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں اس امر کی صراحت کی گئی ہو کہ یہ الفاظ آپؐ نے فرمائے ہیں۔

(۱۲) جو حدیث فساد معنی کی حامل ہو یعنی جس میں ایسا مضمون بیان کیا گیا ہو جو عقلی بدیہیات کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو مثلاً ایسی حدیث جو حکم و اخلاق کے قواعد عامہ کے منافی ہو یا ایسی حدیث جو شہوت و فساد کی موجب ہو۔

(۱۳) جو حدیث خود اپنے راوی کے اقرار کے بموجب موضوع ہو۔

اب منکرین حدیث بتلائیں کہ ان اساسی و اصولی قواعد و ضوابط کے بعد جو محدثین نے متن حدیث کی پہچان پڑتال اور جانچ پڑتال کے لیے وضع کیے کیا کوئی امکان اس بات کا رہ جاتا ہے کہ صحیح و غیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہو گئی ہوں کہ ان میں باہم امتیاز کرنا دشوار ہو۔ حق یہ ہے کہ نقد رواۃ و رجال کی ان کڑی شرائط کی موجودگی میں جن کا مختصر سا خاکہ ہم ابھی اوپر پیش کر آئے ہیں اور متن حدیث سے متعلق ان متذکرہ بالا تصریحات و تنقیحات کے ہوتے ہوئے موضوع احادیث کی کثرت جتنی موجود ہے اس سے دوگنی اور چار گنی بھی ہوتی تو کسی اندیشے اور خطرے کی بات نہ ہوتی۔

خداداد صلاحیت

علاوہ ازیں اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے محدثین کو ایک خاص نور فہم و فراست عطا فرمایا تھا جس کے ذریعے ان کو حدیث صحیح اور حدیث موضوع کا فرق بدیہی طور پر نظر آجاتا تھا۔ حضرات محدثین حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھتے ہوئے یہ جانتے تھے کہ یہ ارشاد نبوی ہے یا نہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی اس خداداد صلاحیت سے

Marfat.com

بھی تحقیق و تنقیح حدیث میں خوب خوب کام لیا بسا اوقات ایسا ہوتا کہ محدثین کسی حدیث کو سنتے ہی اس لیے رد کر دیتے کہ ان کی فنی مہارت و بصیرت اس کو قبول کرنے سے انکاری ہے۔ محدثین کے یہاں ہمیں اس قسم کے کلمات کی جو بہتات ملتی ہے کہ "اس حدیث پر تاریکی چھائی ہوئی ہے" یا "اس حدیث کو دل تسلیم نہیں کرتا" یا "اس حدیث کا متن تاریک ہے" یا "اس حدیث سے جی مطمئن نہیں" وغیر ذلک تو اس کا سبب یہی ہے کہ کلمات نبویہ کی دن رات مذاکرت و ممارست کی وجہ سے کلام نبوی میں غیر نبی کے کلام کی آمیزش کو پہچان لینا ان حضرات کا مزاج بن کر رہ گیا تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں عام زندگی میں ہمیں اس کی مثالیں بہت مل جاتی ہیں۔ شاعری کا ذوق رکھنے والوں کے ساتھ بیٹھ کر دیکھئے وہ شعر سنتے ہی بتا دیں گے کہ یہ کس استاد شاعر کا شعر ہے اگرچہ انہوں نے وہ شعر اس سے پہلے کبھی سنا بھی نہ ہو اس پہچان کی آپ وجہ پوچھیں گے تو وہ یہی بتائیں گے کہ اس شعر پہ فلاں استاد کا رنگ غالب ہے۔ کسی استاد شاعر کے کلام میں دوسرے کسی کلام کی آمیزش کر کے ذرا کسی ایک شخص کو سنا کر دیکھئے جو کم از کم سخندانوں کی فہرست میں آتا ہو اور صاحب ذوق ہو وہ اس آمیزش کو فوراً پہچان لے گا۔ سبب اس کا بھی وہی ہے کہ اساتذہ کا کلام لگاتار پڑھتے پڑھتے ان کے کلام کا رنگ اس کے مزاج میں رچ بس گیا ہے۔ اسی قسم کا معاملہ فقہا اور فتویٰ کا کام کرنے والوں کے ساتھ ہے کیونکہ دن رات ان کا واسطہ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہی رہتا ہے اس لیے وہ طرز کلام ہی سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے یا امام شافعیؒ کا یا ائمہ میں سے کسی اور امام کا۔ یہ تو علمی جواہر پاروں کی بات ہے جو اپنے منہ سے خود بولتے محسوس ہوتے ہیں لوگ پتھر کے بے زبان جواہرات کو ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ کھرا اور اصلی کونسا ہے اور کھوٹا اور نقلی کونسا! لہٰذا محدثین کے بارے میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ حدیث کو سنتے ہی بغیر سند دیکھے ہوئے پکار اٹھتے تھے کہ یہ ارشاد نبوی ہے یا نہیں۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جس طرح شعرا کا کلام پہچاننے کے لیے سخندان ہونا شرط ہے اور ائمہ کے اقوال میں باہم تمییز کے لیے فقیہ ہونا ضروری ہے یا جس طرح

جواہرات کی پہچان صرف جوہری ہی کر سکتا ہے اسی طرح احادیث میں کھرا کھوٹا الگ کرنے کے لیے محدث ہونا شرط لازم ہے۔ ہر کس و ناکس اپنے اُوپر قیاس کر کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس طرح ہمیں حدیث صحیح اور حدیث موضوع میں باہم کوئی فرق نظر نہیں آتا اسی طرح محدثین کے لیے بھی یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ موضوع حدیث کو سنتے ہی پہچان لیتے تھے۔ محدثین کرام کا تو معاملہ ہی جُدا ہے' ارشادات نبوی کی دن رات مذاکرت و مزاولت کے علاوہ نصرت الٰہیہ بھی ان کے شاملِ حال تھی۔ اللہ تعالےٰ نے ان سے اپنے دین کی حفاظت کا کام لینا تھا اس لیے ان کو اپنی موہبت خاصہ سے ایسا خاص فہم عطا فرما دیا تھا کہ وہ اس سے حق اور باطل' ہدایت و ضلالت اور جھوٹ اور سچ میں بآسانی تمیز کر لیتے تھے۔ ان کے قلوب حدیث کے لیے آئینہ کا کام دیتے تھے جس میں ارشاداتِ نبوی کے نور کا خود بخود انعکاس ہو جاتا تھا۔ حضرت ربیع بن خیثم تابعی فرمایا کرتے تھے:

إن للحديث ضوءً كضوء النهار تعرف وظلمةً كظلمة الليل تنكر (معرفۃ علوم الحدیث، للحاکم و قواعد التحدیث للشیخ ابوالحسن حنبلی دمشقی ص ۱۳۸ مطبوعہ دمشق)	صحیح حدیث میں دن کی روشنی کی طرح ایک خاص قسم کی روشنی ہوتی ہے جو پہچانی جاتی ہے اور (موضوع حدیث میں) رات کی تاریکی کی طرح ایک خاص قسم کی تاریکی ہوتی ہے جو ناگوار محسوس ہو جاتی ہے۔

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایک خاص عظمت اور جلال ہوتا ہے جو کسی دُوسرے کے کلام میں نہیں ہوتا یہ عظمت و جلال محدثین کے گوشت پوست میں رچ بس جاتا ہے جس کی بنا پر حدیث صحیح کے الفاظ بلا واسطہ ان کے دِل پر اثر کر لیتے ہیں۔ قواعد التحدیث ہی میں شیخ ابوالحسن حنبلی دمشقی نے خود اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے فرماتے ہیں میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ جب کوئی حدیث سنتے تو سنتے ہی بتلا دیتے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا موضوع' بعد میں تحقیق کرتے تو پتہ لگتا کہ محدثین نے بھی ایسا ہی لکھا ہے ان بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں موضوع تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایک خاص عظمت اور جلال ہوتا ہے جو دُوسرے کے کلام میں نہیں ہوتا اور اسی طرح صحابۂ کرام کا کلام دُوسروں

کے کلام سے ممتاز ہوتا ہے۔ حافظ ابن قیم سے کسی نے سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ سند دیکھے بغیر حدیث موضوع کا علم ہو جائے اُنہوں نے جواب دیا سند کو دیکھے بغیر وہی شخص حدیث کو پہچان سکتا ہے کہ جس کے گوشت پوست میں حدیث سرایت کر چکی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور اوامر و نواہی اور آپؐ کے محبوبات و مرضیات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے ہوں صرف ایسا ہی شخص حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھے ہوئے سمجھ جاتا ہے کہ یہ ارشاد نبوی ہے یا نہیں۔

قرون اولیٰ کے محدثین کی تو خیر بات ہی جُدا ہے ان کے تو گوشت پوست تک میں واقعی علمِ حدیث رچ بس گیا تھا آج بھی جو شخص بشرطیکہ عربی زبان پر اسے پورا عبور حاصل ہو احادیث کی اکثر کتابوں کا یا کم از کم صحیحین کا گہری نظر سے مطالعہ کرے گا وہ اس قابل ہو جائے گا کہ نبی کے کلام کو غیر نبی کے کلام سے الگ پہچان لے گا دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ایک خاص زبان اور اپنا ایک مخصوص طرز بیان ہے جو آپؐ کی تمام صحیح احادیث میں بالکل یکسانیت اور یک رنگی کے ساتھ نظر آتا ہے۔ آپؐ کے کلام میں آپؐ کی شخصیت بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اس میں آپؐ کا بلند منصب و مقام جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ آپؐ کا اندازِ تکلم فقروں کی بناوٹ الفاظ کا انتخاب اور طرزِ بیان سب کچھ ایسی انفرادیت کا حامل ہے کہ کوئی دوسرا اس کی نقل کر ہی نہیں سکتا چنانچہ آپؐ کی احادیث سے گہرا شغف رکھنے والا صحیح حدیث کو سنتے ہی کہہ اُٹھے گا کہ یہ بات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا اسی طرح غیر صحیح حدیث کے بارے میں سند کو دیکھے بغیر فیصلہ دے دیگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نہیں ہے حتیٰ کہ صحیح احادیث میں روایت باللفظ اور روایت بالمعنیٰ کا فرق اسے صاف محسوس ہو جائے گا کیونکہ جہاں راوی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے وہاں آپؐ کے مخصوص طرز بیان سے واقفیت رکھنے والا فوراً پہچان لے گا کہ یہ خیال اور بیان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے لیکن زبان آپؐ کی نہیں ہے۔

بہرحال اوّل تو حدیث کی سند اور اسکے متن کی جانچ پرکھ کے لیے محدثین کے

Marfat.com

مرتب کردہ قواعد و ضوابط اس پر مستزاد محدثین کا خداداد نورِ فہم و فراست ان دونوں نے مل کر اس کا امکان ہی سرے سے باقی نہ رہنے دیا کہ احادیث میں کسی بھی طور سے صحیح و غیر صحیح اور معتبر و غیر معتبر کے درمیان کوئی اشتباہ و التباس باقی رہ جائے۔

محدثین کی مساعی کے ثمرات

اللہ تعالےٰ محدثین کرام کی ارواح طیبہ کو ہزارہا ہزار رحمتوں سے نوازے یہ انہی کی بدولت ہے کہ ایک ایک واضع حدیث کا نام آج ہمیں معلوم ہے کوئی حدیث ایسی نہیں جو موضوع ہو اور ہمارے علم میں آنے سے رہ گئی ہو ہم جانتے ہیں کہ سلیمان بن عمرو النخعی، وہب الخباس حسین بن علوان، ابوالبختری، اسحٰق بن نجیح، ابوداؤد نخعی، ابولبیر احمد بن محمد الفقیہ موزی وہب بن حفص، محمد بن سعید ابوسعید المدائنی اور محمد بن قاسم اسطرلقانی یہ سب مشہور واضعین[1] حدیث تھے۔ ہم احمد بن عبداللہ الجویباری، ابن عکاشہ کرمانی اور ابن تمیم فریابی جیسے وضاعین حدیث کے ناموں سے بھی بخوبی واقف ہیں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عباسی دور کے زنادقہ[2] میں سے عبدالکریم بن ابی العوجاء، بیان بن سمعان مہدی اور محمد بن سعید مصلوب مشہور وضاع تھے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ابن یحییٰ مدنی، واقدی، مقاتل بن سلیمان خراسانی، محمد بن معبد[3] شامی ترغیب و ترہیب کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے اور واضعین حدیث کے بارے میں ہمارا یہ سارا علم رہین منت ہے محدثین کرام کی اس سعی و جہد کا جو انہوں نے صحیح و غیر صحیح احادیث کو باہم ملتبس ہونے سے بچانے کے لیے انجام دیں۔ محدثین کرام نے نہ صرف وضاعین و مدلسین کے ناموں کا ہی انکشاف کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ ہمیں ان تمام موضوعات کی بھی اطلاع دے گئے جو ان لوگوں کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ تھیں چنانچہ حدیث کا کوئی طالب علم ایسا نہ ہوگا جو موضوع احادیث کے مشہور مجموعوں الموضوعات لابن [illegible]

---

[1] تبدید المسلمین۔ [2] ابن خلکان۔
[3] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی۔
[4] فتح المغیث۔

Marfat.com

موضوعات ابن عبدالبر، موضوعات علی قاری اور موضوعات شوکانی کے ناموں سے واقف نہ ہو۔ محدثین کرام نے اس کے علاوہ ان کتابوں کی نشان دہی بھی کر دی ہے جو خود موضوعات سے پُر ہیں مثلاً مسند انس بصری، الدیلمی و دعاتیہ، کتاب القضاعی علویات اور کتاب العروس[1] وغیرہ۔ ان تمام معلومات کی موجودگی میں کوئی عقل سے عاری ہی ہوگا جو یہ کہے گا کہ صحیح و غیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔

غرض موضوع احادیث کی موجودگی کی بنیاد پر منکرین حدیث کا احادیث نبوی کے پورے ذخیرے کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا ایک ایسی نرالی منطق ہے جو عقل کے کسی بھی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ منکرین حدیث کا منشا تو یہ ہے کہ وضع حدیث کے بہانے حدیث کی حجیت کو مشکوک بنا دیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وضع حدیث خود بڑی زبردست دلیل ہے حجیت حدیث کی، اس لیے کہ اگر حدیث حجت نہ ہوتی تو وضع حدیث کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔ وضّاعین و کذّابین اپنے دِل سے گھڑی ہوئی باتوں کو حدیث کا نام اسی لیے تو دیتے تھے کہ وہ حدیث کے نام پر قبول کر لی جائیں یوں تو ان کی بات کوئی بھی قبول نہ کرتا مگر لوگوں کے درمیان حدیث کی حجیت چونکہ مسلّم تھی اس لیے وضّاعین خیال کرتے تھے کہ ہم حدیث کا نام لیں گے تو ہماری بات بھی حجت کے طور پر تسلیم کر لی جائے گی۔ نقل اسی سکّے کی گھڑی جاتی ہے جو بازار میں چلتا ہو، جس سکّے کو بازار میں کوئی قبول ہی نہ کرتا ہو بھلا اس کی نقل بنانے سے کسی کو کیا فائدہ۔ حدیث کا سکّہ بازارِ علم میں چلتا تھا تو موضوع احادیث کے نقلی سکّے گھڑے جا رہے تھے مگر جہاں نقلی سکّے گھڑنے والے موجود تھے وہاں ایسے ماہر صرّاف بھی موجود تھے جو جعلی اور اصلی سکّوں کی خوب پہچان رکھتے تھے اُنہوں نے نہ صرف جعلی سکّے بنانے والوں کے نام کشت از بام کر دیے بلکہ ان کے بنائے ہوئے تمام جعلی سکّے بھی الگ کر کے رکھ دیے اور آئندہ آنے والوں کے لیے

---

[1] تذکرۃ الموضوعات

Marfat.com

اس سلسلے میں تمام ضروری معلومات مہیا کر گئے تاکہ کسی بھی مرحلے پر یہ جعلی اور نقلی سکے دوبارہ رواج نہ پا سکیں۔ غرض موضوع احادیث کی موجودگی ذخیرہ احادیث کو مشکوک بنانے کے بجائے اس کے اور زیادہ محفوظ ہونے کا ثبوت مہیا کرتی ہے نیز اس کو وقیع تر بنانے کا موجب ہے۔

وضع حدیث اور عہد رسالت

اس سلسلے میں یہ کہنا بھی قطعاً خلاف واقعہ ہے کہ جھوٹی احادیث کا سلسلہ عہد رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام کی وہ جماعت جس نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں، اپنے اموال بے دریغ نثار کیے، اپنے اعزہ و اقارب کو چھوڑا اور اپنے وطن تک کو خیرباد کہہ دیا وہی جماعت اللہ اور اس کے رسول سے بے وفائی کے کام میں اس قدر آگے نکل گئی تھی کہ جھوٹ گھڑ گھڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب کرنے لگی تھی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کرنا دراصل اللہ ہی پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے اور صحابہ کرام سے زیادہ اس حقیقت سے اور کون واقف ہوگا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں کہ صحابہ کرام دینی احکام کے بڑے حریص، شریعت کی حفاظت میں انتہائی مستعد اور تبلیغ اسلام کے حد درجہ شائق تھے انہیں ہر تکلیف اور ہر مصیبت گوارا تھی مگر یہ گوارا نہ تھا کہ دین اسلام کو معمولی سا بھی کوئی نقصان پہنچے ان کے بارے میں یہ تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ از خود دین کو اس حد تک نقصان پہنچانے پر تل گئے تھے کہ سنت نبوی میں جسے وہ خود دین کی بنیاد تصور کرتے تھے جھوٹ کی آمیزش کر کے اسے مشکوک اور کمزور بنانے کا کام انجام دے رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ صحابہ کے لیے حکم خداوندی کا درجہ رکھتا تھا جس قسم کے ایمان و یقین کی دولت سے صحابہ مالا مال تھے اس کے ہوتے ہوئے بھلا یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب کر سکتے تھے خصوصاً جبکہ وہ بکثرت بار ہا زبان نبوی سے

Marfat.com

ایسے شخص کے لیے جہنم کی وعید سن چکے تھے، میرا اشارہ اس مشہور حدیث کی طرف ہے جس کے الفاظ ہیں :

من كذب علىّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار	جس نے مجھ پر تصدًا جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے۔

یہ روایت جملہ کتب حدیث میں موجود ہے جتنے صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے مشکل ہی سے چند احادیث اس قدر کثیر التعداد صحابہ سے مروی ہوں گی بعض علمائے حدیث نے اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے تقریبًا ستر صحابہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے بعض نے اس سے زیادہ راویوں کا دعویٰ کیا ہے[1]۔ بہرحال راویوں کی یہ کثرت اس بات کی دلیل ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو صحابہ کے اذہان میں راسخ کر دینا چاہتے تھے کہ میری طرف غلط بات کی نسبت اللہ کی ناراضگی کو دعوت دینے کے مترادف ہے جس کا لازمی نتیجہ جہنم ہے۔ جہنم کی وعید شاید آج کے مسلمان کے لیے اتنی اہمیت کی حامل نہ ہو لیکن صحابہ کے لیے جہنم کی وعید کوئی معمولی بات نہ تھی یہی وجہ تھی کہ صحابہ کا عالم یہ تھا کہ حدیث سناتے وقت کانپ کانپ اٹھتے اور اس خوف سے کہ کہیں کوئی غلط بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے حدیث کے الفاظ دوہرا کر فورًا کہتے اس سے کم یا اس سے زیادہ یا اسکے مشابہ غرض یقینی طور پر یہ نہ کہتے کہ آپؐ کی کہی ہوئی حدیث کے الفاظ بعینہٖ یہی ہیں کبھی حدیث سنا کر کہتے او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یا جیسا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو) بعض صحابہ کا یہ دستور تھا کہ کوئی حدیث سنانے سے قبل متذکرہ بالا مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ والی حدیث ایک بار ضرور دوہراتے تاکہ متعلقہ وعید ذہن میں ایک بار پھر تازہ ہو جائے اور لاپروائی سے بھی کسی غلط بات کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو جائے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی حضرت ابوہریرہ کا تو یہ دوامی قاعدہ بن گیا تھا کہ

---

[1] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی

Marfat.com

يبتدأ بحديثه بان يقول قال رسول الله الصادق المصدوق ابوالقاسم صلى الله عليه وسلم من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار ۔

جس وقت اپنی حدیث سنانی شروع کرتے تو کہتے فرمایا رسول اللہ صادق و مصدوق ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے ۔

حضرت علی فرمایا کرتے تھے مجھے یہ گوارا ہے کہ مجھ پر آسمان ہی سے پڑے بہ نسبت اس کے کہ میں آپؐ کی طرف اس بات کا انتساب کروں جو آپؐ نے نہیں کہی[1] ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خاصی تعداد میں احادیث مروی ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو پھر بھی آپ سے کمی روایت کی شکایت تھی کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے :

إنّي ليمنعني ان أحدّث حديثاً كثيراً ان النبي صلى الله عليه وسلّم قال من تعمّد عليّ كذباً فليتبوأ مقعده من النار ۔

(طبرانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو میں کثرت سے جو بیان نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مَنْ تعمّد والی روایت مجھ کو اس سے روکتی ہے ۔

ظاہر ہے روایت کی کثرت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اسی بات کا اندیشہ تھا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ نے ان سے پوچھا کہ جس طرح فلاں فلاں صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کثرت سے روایت کرتے ہیں آپ کو میں نے اس طرح کبھی روایت کرتے نہیں سنا حضرت زبیر نے جواب میں فرمایا :

أمَا إنّي لَمْ أفارقْهُ ولكن سمعتُهُ يقول من كذب عَلَيّ فليتبوأ مقعدهُ من النار

(بخاری کتاب العلم)

آگاہ رہو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جُدا نہیں ہوا لیکن (بات یہ ہے کہ) میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے ۔

---

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب التحریض علی قتل الخوارج

Marfat.com

گویا وہی خوف جو ابھی حضرت انس سے روایت ہوا حضرت زبیر کو بھی کثرت روایت سے روکے ہوئے تھا بعض صحابہ نے اپنی کبرسنی کے زمانے میں صرف اس لیے روایت کرنا ترک کر دیا تھا کہ کہیں بڑھاپے کی وجہ سے کوئی سہو نہ ہو جائے لوگ ان سے روایت کی درخواست کرتے تو فرماتے :

كُبِرْنَا وَنَسِينَا وَالْحَدِيثُ عَنْهُ صلى الله عليه وسلّم لَشَدِيدٌ (ابن ماجہ)	ہم بوڑھے ہو گئے اور بھولنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیث بیان کرنا بڑا سخت معاملہ ہے۔

غرض جن حضرات کا روایت حدیث میں احتیاط کا یہ عالم ہو ان کے بارے میں کوئی کیسے یقین کرے کہ وہ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ گھڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کے قبیح ترین کام میں مشغول تھے کوئی عقل سے عاری ہی ہوگا جو صحابہ کے بارے میں اس قسم کا گمان کرے گا۔

عجیب استدلال حیرت ہوتی ہے منکرین حدیث کے طرز استدلال پر انہوں نے اپنے حق میں اسی مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا والی حدیث سے دلیل پکڑی ہے یعنی جو حدیث اس بات کی دلیل تھی کہ صحابۂ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کے انتساب کی جرأت ہی نہیں کر سکتے تھے اسی حدیث کو انہوں نے اپنے اس دعوے کی دلیل بنا لیا کہ صحابہ معاذ اللہ جھوٹی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ منکرین حدیث کا کہنا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ متذکرہ بالا حدیث بار بار آتی ہی اسی لیے تھی کہ آپؐ کی طرف غلط باتوں کا انتساب ہونے لگا تھا۔ اگر آپؐ کی طرف منسوب کر کے غلط باتیں بیان نہ کی جا رہی ہوتیں تو آپؐ کو یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ کی نسبت کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ آپؐ کو بار بار یہ وعید سنانے کی ضرورت پیش آنا منکرین حدیث کے نزدیک دلیل ہے اس بات کی کہ آپؐ کی طرف جھوٹ کا انتساب ہونے لگا تھا۔ اپنی اس دلیل کی تائید میں وہ عہد رسالت کا ایک واقعہ بھی نقل کرتے ہیں ہم اس واقعے کی اصلیت تو بعد میں واضح کریں گے، ہمیں اس سے

پہلے دراصل یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ من کذب علیّ والی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس کس سیاق و سباق کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ اگر منکرین حدیث کا استدلال درست ہے تو ہر حدیث کو لازماً ایسے ہی سیاق و سباق میں روایت ہونا چاہیئے جس سے معلوم ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی ایسا جھوٹ آیا جو آپ کی طرف نسبت کر دیا گیا تھا اس کی تردید کرتے ہوئے آپ نے ایسے دروغ بافوں کے لیے جہنم کی وعید سنائی اور اگر یہ سیاق و سباق اس سے مختلف ہو تو پھر منکرین حدیث کا استدلال یقیناً بے بنیاد ٹھہرے گا۔

مختلف مرویات کا جائزہ

جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر ذکر کیا یوں تو یہ حدیث کی اہمیت والی حدیث ستر سے زیادہ صحابہ کرام سے مروی ہے مگر اس حدیث کے مشہور راویوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص حضرت ابوہریرہ حضرت ابوسعید خدری حضرت علی بن ابی طالب حضرت انس بن مالک حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابوقتادہ اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

آئیے ان سب روایات کی مرویات کا جائزہ لیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں نقل کی ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

أنّ النبيّ صلى الله عليه وسلّم	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
قال بلّغوا عنّي ولو آية وحدّثوا	دوسروں تک پہنچا دو خواہ وہ ایک ہی آیت ہو
عن بني إسرائيل ولا حرج ومن	اور بنی اسرائیل کے واقعات (اگر تم چاہو تو)
كذب عليّ متعمّدا فليتبوّأ مقعده	بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو شخص
من النار (بخاری، کتاب الانبیاء	میرے اوپر جھوٹ بولے اسے چاہیئے کہ وہ اپنا
باب ما ذكر عن بني إسرائيل)	ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

اس روایت سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث دروغ بافی سے متعلق ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ کو معلوم ہوا کہ لوگوں نے اپنی احادیث کو ثقاہت سے بیان کرنے کی تلقین فرمائی ہے تھی گویا آپ تبلیغ احادیث کی تلقین کرتے وقت غالب گمان

ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ دیکھنا یہ کام بڑی ذمہ داری کا ہے اس میں اگر ذرا سی بے احتیاطی سے کسی غلط بات کی نسبت میری طرف ہو گئی تو بجائے ثواب کے الٹا عذاب نہ کما بیٹھنا۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت کو امام بخاری کتاب العلم میں لاتے ہیں اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

تسمّوا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی ومن رآنی فی المنام فقد رآنی فانّ الشیطٰن لا یتمثّل فی صورتی ومن کذب علیّ متعمدًا فلیتبوأ مقعدہٗ من النار (بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی)۔

میرے نام پر نام رکھ لو مگر میری کنیت (پر کنیت) نہ رکھو جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھے دیکھ لیا اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اور جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ باندھے تو اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔

اس روایت میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ گمان کیا جا سکے کہ آپؐ کی جانب کسی دروغ کی نسبت کا کوئی واقعہ پیش آیا تھا جس سے متاثر ہو کر آپ کو جہنم کی یہ تذکرہ وعید سنانی پڑی تھی بلکہ اس حدیث کے الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ اس سے مقصود جھوٹ کی نسبت سے احتراز کو مؤکد بنانا ہے یعنی کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر اگر جھوٹی خبر تک بھی بیان کرے گا تو وہ بھی گویا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

اس دروغ کی نسبت والی حدیث کے تیسرے مشہور راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی روایت کو ہم امام مسلم سے نقل کرتے ہیں، امام مسلم نے اسے کتاب الزہد والرقاق میں بیان کیا ہے یہ پوری روایت اس طرح پر ہے:

لا تکتبوا عنّی ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحہٗ وحدّثوا عنّی ولا حرج ومن کذب علیّ قال ھمام احسبہٗ قال متعمدًا فلیتبوأ مقعدہٗ

میرا کلام مت لکھو اور جس نے مجھ سے سن کر قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے البتہ میری احادیث (حافظے سے) بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو مجھ پر جھوٹ باندھے ھمام (راوی حدیث کے

من النار (مسلم کتاب الزہد باب تثبت فی الحدیث)۔

ایک راوی ہمام کہتا ہے میرا خیال ہے آپؐ نے فرمایا قصداً (جھوٹ باندھے) وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

اس روایت کے بارے میں اس تشریح کی تو ضرورت نہیں کہ یہ کتابتِ حدیث سے ممانعت کا حکم ابتدا میں تھا بعد میں کتابت کی اجازت دے دی گئی تھی اس پر تفصیلی بحث اس کتاب کے پہلے حصے میں "کتابت حدیث اور صحابہؓ کے عنوان کے تحت دے دی گئی ہے وہاں مراجعت کی جا سکتی ہے بہرحال اس وقت تو ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی اس روایت میں حضورؐ کی نسبت کا ذکر جس حوالے سے آیا ہے اس کا منشا حفظِ حدیث پر زور دینا ہے اس تاکید کے ساتھ کہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور یاد کی ہوئی حدیث روایت کرتے وقت اس بات کا خیال رہے کہ کوئی غلط بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ اس روایت میں بھی قصداً کی نسبت سے متعلق کسی واقعے کے وقوع میں آنے کا کوئی اشارہ تک موجود نہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب کی روایت ہم ترمذی سے لیتے ہیں۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لا تکذبوا علیّ فانہ من کذب علیّ یلج النار (ترمذی کتاب العلم باب فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ)۔

مجھ پر جھوٹ نہ باندھو اس لیے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

ظاہر ہے اس روایت میں بھی کوئی ایسا اشارہ موجود نہیں جس سے منکرینِ حدیث کے موقف کی تائید ہو سکے۔ اسی طرح حضرت انس بن مالکؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زبیر بن عبداللہ کی روایات میں بھی جن کا حال ہے ان کی روایات کے الفاظ بھی بالکل واضح ہیں اور ہر قسم کے حوالے سے خالی ہیں جو کسی طرح بھی منکرینِ حدیث کے موقف کے حق میں جاتا ہو۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے:

من کذب علیّ حسبتُ انہ قال

جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے میرا ان سے خیال ہے (راوی الفاظ بیان) فرمایا

Marfat.com

متعمدًا فليتبوأ مقعدهٗ من النار (ترمذی کتاب العلم باب فی تعظیم الکذب)۔	وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سمرۃ بن جندب اس حدیث کی روایت میں متحد اللفظ ہیں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :

من حدّث عنی حدیثًا وھو یریٰ انہٗ کذبٌ فھو احد الکاذبین (ترمذی کتاب العلم باب فی تعظیم الکذب)۔	جو شخص مجھ سے کوئی حدیث روایت کرے یہ جانتے بوجھتے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ بھی اس حدیث کی روایت میں متحد اللفظ ہیں ان دونوں نے اسے حسب ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے :

من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (ترمذی کتاب العلم باب فی تعظیم الکذب)۔	جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

ان پانچوں حضرات کی روایتوں میں بھی قارئین نے دیکھ لیا کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ایسے موقع پر ارشاد فرمائی جب آپؐ کے علم میں کوئی ایسا واقعہ لایا گیا جس میں کسی نے کسی غلط بات کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کر دی تھی اور آپؐ اس کی روک تھام کے لیے یہ جہنم کی وعید لوگوں کو سنا رہے تھے۔ اب اس حدیث کے قابل ذکر راویوں میں صرف حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت رہ گئی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوقتادہ کی روایت ہے :

سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول علی ھذا المنبر إیاکم وکثرۃ الحدیث عنّی فمَنَ قال علیّ فلیتل	میں نے اسی منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم مجھ سے بہت زیادہ حدیث روایت کرنے سے پرہیز کرو مجھ سے جو شخص بھی روایت کرے اسے چاہیئے کہ حق اور

Marfat.com

او صدقًا ومن تقوّل علیّ مالم أقل فلیتبوأ مقعدہٗ من النار (ابن ماجہ - باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ)۔

سچ کہے اور جو شخص مجھ پر وہ بات باندھے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

یہ روایت تو اپنے مفہوم میں بالکل ہی واضح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت روایت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور اس ممانعت کی توجیہ کے طور پر مخاطب کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ کثرت روایت کی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی غلط بات میری طرف منسوب ہو جائے اور راوی کے لیے جہنم کی آگ کا سبب بن جائے۔

اس سلسلے کی ایک اور قابل ذکر روایت وہ ہے جس کو امام ابوجعفر طحاوی نے مشکل الآثار میں اپنی متصل سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ کسی مجلس میں ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ایک حدیث بیان کی، حضرت مالک بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے سن کر فرمایا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے یہ عہد لیا تھا کہ

علیکم بالقرآن وإنکم سترجعون إلی قوم یشتهون الحدیث عنّی فمن عقل شیئًا فلیحدّث بہٖ ومن افتریٰ علیّ فلیتبوأ بیتًا او مقعدًا فی جهنم۔ (مشکل الآثار جلد ۱ ص ۱۷۱)۔

تم پر لازم ہے کہ تم قرآن کو تھامے رہو تم عنقریب ایسے لوگوں کے پاس واپس کیے جاؤ گے جو چاہیں گے کہ میری حدیث ان سے بیان کی جائے لہٰذا جس کسی نے میری بات کو سمجھ لیا ہے اور یاد کر لیا ہے اسے چاہیے کہ حدیث بیان کرے اور (یاد رکھو) جو شخص قصداً میری طرف جھوٹ منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ یا (فرمایا) اپنا گھر جہنم میں بنالے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ عنقریب اسلام اطراف واکناف عالم میں پھیلے گا اور مختلف اقوام کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے اور آپ کی صحبت کے شرف سے محروم ہونے کی بنا پر آپ کے ارشادات سننے کے بہت زیادہ شائق ہوں گے ایسی صورت

Marfat.com

میں ممکن ہے کثرت روایت کی بنا پر احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اس لیے صحابہ کو آپؐ نے متنبہ کر دیا کہ دیکھنا روایت حدیث میں احتیاط سے کام لینا اگر میری حدیث خوب یاد ہو تو ضرور روایت کرنا اگر کوئی شک ہو تو روایت سے احتراز ہی کرنا ایسا نہ ہو کوئی غلط بات میری طرف منسوب ہو جائے۔ اس روایت کے بارے میں بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ حدیث آپؐ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب کسی نے آپ پر جھوٹ باندھا تھا۔

غرض اس مَنْ کَذَبَ علیّ والی حدیث سے متعلق جتنی بھی قابلِ ذکر روائتیں ہیں ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس کی بنیاد پر منکرین حدیث کا یہ استدلال درست سمجھا جا سکے کہ یہ جھوٹ کی نسبت والی حدیث ارشاد فرمانے کی ضرورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش ہی اس لیے آئی تھی کہ آپؐ کی طرف آپؐ کے عہد ہی میں جھوٹ کی نسبت ہونے لگی تھی اس کے بالمقابل تمام قابل ذکر روائتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ مذکورہ زیر بحث حدیث یا تو آپؐ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب اپنی احادیث دوسروں تک پہونچانے کا آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا یا اس وقت ارشاد فرمائی جب کثرت روایت کی صورت میں احتیاط کا پہلو مدِ نظر رکھنے کی آپ نے تلقین فرمائی۔

کذب علی النبی سے متعلق ایک واقعہ

منکرین حدیث اپنے استدلال کی تائید میں عہدِ رسالت کا جو واقعہ پیش کیا کرتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی اصل حقیقت قارئین کے سامنے لے آئی جائے تاکہ اصل صورتِ حال کو سمجھنے میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ یہ واقعہ امام طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت بریدہؓ سے اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے اس واقعے کا لب لباب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں ایک شخص مضافات مدینہ کے ایک قبیلے کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر لڑکی والوں نے انکار کر دیا تھا ہجرت کے بعد ابتدائی زمانے میں ہی وہ شخص ایک حلّہ پہنے ہوئے اس قبیلے میں پہونچا اور جا کر اس نے لڑکی والوں سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ فلاں معاملے میں میں اپنا فیصلہ صادر کروں (یہاں طبرانی کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جس گھر میں چاہوں چلا

جاؤں) گھر والوں نے اسے بٹھایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت حال دریافت کی آپؐ نے فرمایا "دشمن خدا نے جھوٹ بولا" پھر آپؐ نے ایک آدمی کو حکم دیا (طبرانی نے یہاں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے نام لیے ہیں) کہ جاؤ اگر اسے زندہ پاؤ تو قتل کر دو اور اگر مردہ پاؤ تو اس کی لاش جلا ڈالو وہ آدمی وہاں پہونچا تو پتہ چلا کہ مجرم سانپ کے ڈسنے سے مر چکا ہے چنانچہ حکم نبوی کے مطابق اس کی لاش جلا ڈالی گئی وہ آدمی واپس خدمت نبوی میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا "جس نے مجھ پہ جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے"۔

اس واقعے کے بارے میں ہیں منکرین حدیث سے سب سے پہلے یہ پوچھنا ہے کہ پورے ذخیرۂ حدیث سے تمام صحیح احادیث کو چھوڑ کر ان کی نظر انہی دو روایتوں پر کیوں پڑی جن کی سند بھی ضعیف ہے اور متن بھی منکر ہے کہاں تو منکرین حدیث کا یہ موقف کہ موضوع احادیث کی موجودگی کی بنا پر صحیح احادیث بھی مشکوک ہوگئیں اور قابل حجت نہیں رہیں اور کہاں یہ حال کہ ان روایات کو حجت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جن میں موضوع ہونے کی علامات بہت نمایاں ہیں آخر اس دورنگی کی کیا توجیہ ہے۔ ایک طرف منکرین حدیث محدثین پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ روایت کی چھان پھٹک ہی میں لگے رہے درایت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور دوسری طرف اپنی مطلب برآری کے لیے ایسی روایت سے دلیل پکڑتے ہیں جس کا متن ایک عامی آدمی بھی دیکھتے ہی کہہ اٹھے گا کہ منکر ہے بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ آپؐ مردوں کو جلانے کا حکم صادر کریں؟

متن کے منکر ہونے کے علاوہ ان دونوں روایتوں کی تو سند بھی ضعیف ہے انکے راویوں میں سے بعض راوی ایسے ہیں جن کی روایت قبول نہیں کی جاتی یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس قصہ کو موضوع اور خود ساختہ کہا ہے[1]۔ نیز مشہور محدث عبداللہ بن عدی نے اس واقعہ کو اپنی کتاب "الکامل فی معرفۃ الضعفاء و المتروکین" میں لیا ہے جو خود دلیل ہے اس واقعے کے راویوں کے ضعیف اور متروک الروایۃ ہونے کی۔

---

[1] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی

Marfat.com

علاوہ ازیں ان دونوں روایتوں کو اگر صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو ان سے زیادہ سے زیادہ جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک دنیوی کام کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک ایسے جھوٹ کی نسبت کی گئی تھی جو صرف دروغ گو کی ذات تک محدود تھا۔ ان روایتوں سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ دین کے کسی معاملے سے متعلق کوئی حدیث گھڑ کر عام مسلمانوں کے سامنے اسے حدیثِ رسول کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہو۔ کہاں ایک خالصتاً دنیوی معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھوٹا حوالہ دے کر کسی شخص کا صرف اپنی ذات کو فائدہ پہونچانے کی کوشش کرنا اور کہاں دینی معاملات میں وضع حدیث کا ارتکاب کر کے پورے دین میں رخنہ اندازی کا موجب بننا ان دونوں باتوں کو ایک دوسرے پر قیاس کر کے یہ حکم ہرگز نہیں لگایا جا سکتا کہ عہد رسالت ہی میں وضع حدیث کا آغاز ہو گیا تھا۔ مزید برآں ان دونوں روایتوں میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ اپنی نوعیت کا ایک ہی واقعہ ہے دوسرا کوئی واقعہ منکرین حدیث بھی اس ضمن میں پیش نہیں کر سکے صرف اس ایک واقعے کی بنیاد پر یہ کلیہ قائم کر لینا کہاں کا انصاف ہے کہ عہدِ رسالت ہی میں موضوع احادیث گھڑی جانے لگی تھیں۔

منکرین حدیث نے اتنا بھی نہ سوچا کہ دونوں روایتوں میں اس شخص کا نام نہیں بتایا گیا جس نے یہ جھوٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ بولنے والا کوئی مجہول اور غیر معروف شخص تھا۔ ایک مجہول اور غیر معروف شخص کے ایک جھوٹ کی بنا پر صحابہ کی پوری جماعت کی صداقت کو آخر کس دلیل سے مشکوک ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ عہد رسالت میں وضع حدیث کے آغاز کا دعویٰ کرنا صحابۂ کرام کی صداقت کو مشکوک ٹھہرانا ہے جو بلا شبہ آسمان پر خاک ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے کہ صحابہ کرام کی عدالت علی الاطلاق سے صرف وہی انکار کر سکتا ہے جو عقل کی نعمت سے محروم ہو یا جس نے انکار حق پر کمر باندھ رکھی ہو۔

غرض منکرین حدیث کے پاس اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں کہ وضع حدیث کا آغاز عہد رسالت ہی میں ہو گیا تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر وضع حدیث کا

آغاز ہوا کیسے؟ تو اس کی اصل حقیقت بھی سُن لیجیے ؎

وضع حدیث کا اصل نقطۂ آغاز

وضع حدیث کی داغ بیل دراصل اس وقت پڑی جب حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات نے سر اٹھایا اور سبائیوں کی سازش کے نتیجے میں ان کے باہمی اختلافات کو حرب و پیکار کی صورت دے دی گئی۔ جس کا انجام یہ ہُوا کہ اہل اسلام چھوٹے چھوٹے فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ اس تفرقہ بازی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ تھا کہ سیاسی اختلافات کو دینی رنگ دے دیا گیا اور سنت نبوی کو سیاسی اغراض اور داخلی انتشارات کے لیے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ بعض فرقے اپنے افکار و آرا کی تائید میں حدیثیں گھڑنے لگے اولین عنوان جس کو وضع حدیث کی آماجگاہ قرار دیا گیا "فضائل اشخاص و رجال" تھا لوگوں نے اپنے ائمہ اور قائدین کے فضائل و مناقب پر مشتمل حدیثیں وضع کرنا شروع کیں۔ مشہور شیعہ عالم ابن ابی الحدید "شرح نہج البلاغۃ" میں لکھتے ہیں:

"خوب جان لیجئے کہ فضائل و مناقب پر مشتمل احادیث میں اصل جھوٹ شیعہ کی جانب سے آیا ہے" (شرح نہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۱۳۴)

معلوم ہوا کہ وضع حدیث کی ابتدا کرنے والے شیعہ تھے۔ ان لوگوں نے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے فضائل و مناقب کے بارے میں حدیثیں وضع کی تھیں اسی طرح صحابہ خصوصاً صحابۂ کبار اور شیخین جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بے بنیاد معائب و مثالب پر مشتمل حدیثیں بھی وضع کر ڈالی تھیں اس قسم کی موضوعات کے بارے میں ابن ابی الحدید ہی رقم طراز ہے:

> شیعہ جن ناپسندیدہ اور گھناؤنے امور کا تذکرہ کرتے ہیں ہمارے اصحاب (شیعہ) کے نزدیک ان کی کوئی اصل و اساس نہیں محدثین نے نہ اس کو روایت کیا ہے اور نہ اس کو پہچانتے ہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ شیعہ اس کی نقل و روایت میں منفرد ہیں۔"
> (شرح نہج البلاغۃ جلد ۱ ص ۱۳۵)

Marfat.com

شیعہ نے فی الحقیقت اپنے جذبات و احساسات کی تسکین کی خاطر اس کی کوئی پرواہ نہ کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کے سنگین جُرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ شیعہ کی اس جسارت کو دراصل اس پس منظر میں دیکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ فارسی الاصل تھے بظاہر تو یہ اسلام کے دائرے میں آ گئے تھے مگر اپنے وطنی و آبائی مذاہب کے اثرات کو قلبِ ذہن سے نکال باہر کرنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ یہ لوگ بدستور پرستانہ ذہنیت میں گرفتار رہے بنا بریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا ان کے نزدیک کوئی بڑی بات نہ تھی اس سے ان کے دلوں میں پوشیدہ جذبات کو تسکین ملتی تھی۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ لوگ مشہور یہودی عبداللہ بن سبا کی سبیسہ کاریوں کا شکار ہو گئے تھے۔ عبداللہ بن سبا نے اسلام کے شیرازے کو درہم برہم کرنے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق تشیّع کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اس کے پیروکاروں میں اکثریت تو ان لوگوں کی تھی جو اس کے مخصوص مشن سے پوری طرح واقف تھے اور وہ خود بھی اسلام کو پھلتے پھولتے دیکھنا پسند نہ کرتے تھے مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو لاعلمی میں اس کے دام فریب میں پھنس گئے تھے۔ سبائیوں کا صرف ایک ہی مقصود تھا اور وہ یہ کہ صحابیت کی قوت کو جس قدر بھی کمزور کیا جا سکے کیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عرب کے دس لاکھ مربع میل پر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں جس اقتدار کے حاصل کرنے میں اسلام کامیاب ہوا تھا یا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد چند ہی سالوں میں اسلام نے جو روئے زمین کی سب سے بڑی سیاسی طاقت کی حیثیت اختیار کر لی تھی تو یہ سب کچھ اسی صحابیت کی قوت کے بل بوتے پر ہوا تھا۔ اپنے اس مقصود کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے ان سبائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشوں کا جال بچھانے اور صحابۂ کرام کو باہم لڑانے میں جو کردار ادا کیا وہ تو اپنی جگہ ایک الگ داستان ہے، ہی اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے صحابہ کو بدنام کرنے کی بھی ایک منظم تحریک چلائی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ چند گنے چنے صحابیوں کو چھوڑ کر صحابہ کی پوری جماعت نہ اسلام ہی کی دوست تھی اور نہ پیغمبر اسلام صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم ہی سے اس جماعت کو اخلاص وعقیدت کا کوئی تعلق تھا لیکن ظاہر ہے یہ بالکل خلاف واقعہ بات ثابت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا یہ تو ایسا ہی تھا جیسے دن کی پوری روشنی میں یہ باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ سورج غروب ہو چکا ہے اور رات آگئی ہے اس کے لیے سبائیوں نے یہی ایک تدبیر کارگر دیکھی کہ جھوٹ کا ایسا دھواں اٹھایا جائے اور اس کے ذریعے سے ایسی تاریکی پھیلا دی جائے کہ بینائی رکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کو دن کی روشنی، رات کی تاریکی کی طرح دکھائی دینے لگے چنانچہ صحابۂ کبار کے بارے میں عموماً اور شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق خصوصاً مختلف قسم کے معائب ومثالب گھڑ گھڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کیے جانے لگے دوسری طرف اپنے آپ کو مسلمان اور اسلام دوست ثابت کرنے کے لیے ان معدودے چند صحابہ کے فضائل ومناقب اپنی طرف سے وضع کر کر کے حدیث نبوی کے طور پر پیش کیے جانے لگے جن کو ان سازشی ذہن رکھنے والے سبائیوں نے پہلے ہی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت صحابہ کی پوری جماعت سے علیحدہ کر لیا تھا۔

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں اس بے بنیاد الزام کا ذکر کرتے ہوئے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی منشا کے خلاف مسند خلافت سنبھال لی تھی اور صحابہ کی عمومیت ان دونوں کے ساتھ ہو گئی تھی اس امر کی بطور خاص تصریح کی ہے کہ یہ بے بنیاد الزام سب سے پہلے عبداللہ بن سبا کی زبان پر آیا تھا حافظ ابن حجر کے الفاظ ہیں:

كان عبدُ اللهِ بن سبا أوّل مَنْ أظهرَ ذلك (لسان المیزان جلد ۳ ص ۲۹۰)	عبداللہ بن سبا ہی سب سے پہلا آدمی ہے جس نے اس (بے بنیاد خیال) کا اظہار کیا۔

اس کے ساتھ ہی عامر شعبی کے حوالے سے حافظ ابن حجر نے اس بات کی بھی تصریح کی کہ سب سے پہلا آدمی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کی وہ بھی یہی عبداللہ بن سبا ہی تھا۔ عامر شعبی کے اس دعوے کو حافظ ابن حجر نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

أوّلُ من كذب عبد الله بن سبا (لسان المیزان جلد ۳ صہ ۲۸۹)

سب سے پہلے جس نے جھوٹ بولا (جھوٹی حدیث بنائی) وہ عبداللہ بن سبا ہی تھا۔

عامر شعبی کے اس قول کو مشہور شیعہ عالم ابن ابی الحدید کے اس قول کے ساتھ ملا کر پڑھیئے جس کا ابھی ہم اُوپر حوالہ دے آئے ہیں اور جس میں انہوں نے کہا ہے کہ فضائل و مناقب پر مشتمل اصل جھوٹ شیعہ کی جانب سے آیا ہے آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شیعہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عبداللہ بن سبا کی دسیسہ کاریوں کے زیر اثر نیز اپنے مخصوص پوشیدہ جذبات و احساسات کی تسکین کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی ابتدا کی۔

اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وضع حدیث کی ابتدا خلافت راشدہ کے آخری دو تین سالوں میں ہوئی یعنی تقریباً ۳۷ھ سے ۴۰ھ تک کے درمیانی زمانے میں۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرما جانے کے تقریباً تیس سال بعد اس فتنہ کا ظہور ہُوا۔

وضع حدیث کے سدّباب میں صحابہ کی احتیاطی تدابیر

اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہی وہ زمانہ ہے جب پہلے پہل احادیث نبوی کے راویوں کے بارے میں چھان بین کی جانے لگی اور اسناد حدیث کے سلسلے کی ابتدا ہوئی۔ اس سے پہلے صحابہ ایک دوسرے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنتے سناتے اور قطعاً اس تصدیق کی ضرورت محسوس نہ کرتے کہ یہ حدیث سنانے والے نے از خود زبان نبوی سے سنی ہے یا کسی دوسرے صحابی سے سن کر روایت کی ہے مگر جب وضع حدیث کا ظہور و شیوع ہُوا تو ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ اس وقت تک کوئی حدیث قبول نہ کی جائے جب تک اس کے راوی کی ثقاہت و عدالت کا یقین نہ ہو جائے قبل ازیں صحابہ کے باہم اعتماد کا یہ عالم تھا کہ جب کسی دُوسرے صحابی سے کوئی حدیث سنتے تو بلا جھجک اس کو نہ صرف قبول کر لیتے بلکہ آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے اس طرح روایت کرتے جیسے بذات خود اُنہوں نے وہ حدیث زبان نبوی سے

سُنی ہو - ذخیرۂ احادیث میں مراسیل صحابہ کا وجود اس کا مُنہ بولتا ثبوت ہے - اس کے علاوہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وہ قول بھی اس پر شاہد ہے جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے' ایک مرتبہ حضرت انسؓ ایک حدیث بیان کر رہے تھے کہ سننے والوں میں سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہے حضرت انسؓ نے جواب میں فرمایا :

ما کُلّ ما نُحدّثکم به سمعناہُ من رسولِ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم ولکن کان یحدّث بعضُنا بعضًا (مستدرک للحاکم)	ہم تم سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کیا کرتے ہیں وہ سب ہم نے خود ہی آپؐ سے نہیں سنیں بلکہ ہم میں سے بعضوں نے بعض سے بھی سنا ہے -
کُنّا لا نتّہِم بعضُنا بعضًا - (طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۱۳)	ہم لوگ باہم ایک دوسرے کو جھوٹ سے متہم نہیں کیا کرتے تھے -

غرض جب تک وضع حدیث کا آغاز نہ ہوا تھا صحابہ نے کبھی اس بات کی پرواہ نہ کی تھی کہ راوی کے حالات کی چھان بین کی جائے مگر جونہی اس فتنے نے سر اٹھایا صحابہ نے بھی اس بات کا اہتمام کرنا شروع کر دیا کہ کوئی حدیث صرف اس لیے قبول نہ کر لی جائے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے بلکہ قبول کرنے سے پہلے اس بات کا پورا اطمینان کر لیا جائے - جو کچھ روایت کیا جا رہا ہے اس کا انتساب آپؐ کی طرف صحیح اور درست طور پر ہوا ہے یا نہیں - امام ابن سیرین نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے :

لم یکونوا یسئلون عن الاسنادِ فلمّا وقعت الفتنۃ قالوا سمّوا لنا رجالکم فیُنظرَ الیٰ اھل السّنۃِ فیؤخذَ حدیثھم ویُنظرَ الیٰ	(پہلے لوگ) اسنادِ حدیث دریافت نہیں کیا کرتے تھے لیکن فتنہ بپا ہو جانے کے بعد لوگ یہ کہنے لگے کہ ہمیں راویوں کے نام بتاؤ پھر غور و خوض کے بعد اہل سنت کی روایت قبول کر لی جاتی اور اہل

أَهلِ البدع فلا يؤخذ حديثهم
(مقدمہ صحیح مسلم باب ۴)

بدعت کی حدیث رد کردی جاتی تھی۔

وضع حدیث کا فتنہ ظہور میں آنے کے بعد قبول حدیث میں صحابہ کی احتیاط کا کیا عالم ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس کو امام مسلم نے مقدمہ مسلم میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں بیان کرنے لگے ان کا خیال تھا کہ وہ ان حدیثوں کو خاص توجہ سے سنیں گے مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے نہ ان کی باتوں کی طرف کوئی دھیان دیا نہ نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا آخر متعجبانہ کہنے لگے کہ اے ابن عباس میں تو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنا رہا ہوں اور آپ توجہ تک نہیں دے رہے یہ کیا معاملہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے جواب میں فرمایا:

إنا كنّا مرّة إذا سمعنا رجلاً يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم ابتدرته أبصارنا وأصغينا اليه بآذاننا فلمّا ركب النّاس الصعبة والذلول لم نأخذ من النّاس إلا ما نعرف

(مقدمہ صحیح مسلم باب ۳)

ایک وہ وقت تھا کہ جب ہم کسی کو یہ کہتے سنتے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فوراً ہماری نظریں بے ساختہ اس کی طرف اٹھ جایا کرتیں اور ہم اپنے کانوں کو اس کی (باتوں کی) طرف لگا دیتے مگر جب لوگ ہر سرکش و غیر سرکش (اونٹ) پر سوار ہونے لگے (یعنی جھوٹے سچ کی تمیز جاتی رہی) تو ہم نے بھی صرف ان حدیثوں کو لینا اختیار کر لیا جن کو ہم پہچانتے ہیں۔

بشیر بن کعب عدوی جیسا کہ معلوم ہے بصرے کے رہنے والے تھے حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ مکالمہ ایسا لگتا ہے کہ اس زمانے میں ہوا ہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب سے حضرت عبداللہ ابن عباس بصرہ کے حاکم تھے اور یہ وہی زمانہ ہے جب وضع حدیث کا فتنہ جنم لے چکا تھا۔ قبول حدیث میں صحابہ کرام کی اس احتیاط کا حال بیان کرنے سے ہمارا مقصود یہی واضح کرنا ہے کہ وضع حدیث کے ظہور و شیوع کے ساتھ ہی صحابہ کی طرف سے اس بات کا

اہتمام شروع ہو گیا تھا کہ صحیح وغیر صحیح احادیث آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ "سرکش غیر سرکش اُونٹوں پر سواری" یہ عرب کا ایک محاورہ ہے مُراد اس سے حضرت عبداللہ ابن عباس کی یہی تھی کہ روایت حدیث میں جھوٹ اور سچ کی تمیز ہی جاتی رہی تو ہم بھی قبولِ حدیث میں سخت احتیاط برتنے لگے امام مُسلم کی ایک اور روایت میں جس کو انہوں نے طاؤس سے لیا ہے حضرت عبداللہ ابن عباس نے یہی بات زیادہ صریح انداز میں کہی ہے۔ آپ نے فرمایا:

اِنّا کنّا نُحدّث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذ لم یکُن یکذِبَ علیہ فلمّا رکبَ النّاس الصعبَ والذّلول ترکنا الحدیث عنہُ (مقدمہ صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ من الضعفا)۔	ہم لوگ اس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے تھے جب آپؐ پر کوئی جھوٹ نہیں باندھتا تھا مگر جب لوگ ہر سرکش و غیر سرکش (اُونٹ) پر سوار ہو گئے (یعنی جب جھوٹ سچ کی تمیز جاتی رہی) تو ہم نے آپؐ کی طرف منسوب کرکے حدیثیں بیان کرنا ہی چھوڑ دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت سے بچنے کے لیے اور وضع حدیث کے فتنے کو بے اثر بنانے کے لیے یہ احتیاط کی انتہائی حد تھی کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے حدیث روایت کرنا ہی ترک کر دیا تھا اور صرف حضرت عبداللہ ابن عباس ہی نہیں معلوم ایسا ہوتا ہے دیگر صحابہ نے بھی یہی طریقہ اپنا لیا تھا کیونکہ حضرت ابن عباس نے بجائے صیغہ واحد کے جمع کا صیغہ ترکنا استعمال فرمایا ہے۔

غرض وضع حدیث کا فتنہ عہد رسالت کے بہت عرصے بعد خلافت راشدہ کے بالکل آخری سالوں میں رونما ہوا مگر اس کے ظہور کے ساتھ ہی صحابہ پوری طرح مستعد ہو گئے اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھا کہ کسی راستے سے بھی کوئی غلط بات اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے کہ اسے صحیح احادیث سے ممتاز نہ کیا جا سکے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی جن کے فضائل و مناقب پر بکثرت حدیثیں گھڑی جا رہی تھیں اس باب میں ہر امکانی کوشش کو بروئے کار لانے میں انتہائی مستعد تھے۔ سبائی جس قسم کی بے سروپا باتیں خود آپ کی طرف منسوب کرکے پھیلا رہے تھے جب کبھی بھی ان میں سے کوئی بات آپ تک

Marfat.com

پہونچتی آپ منبر پر پہونچ کر فوراً اس کی تردید بر سرِ عام فرماتے اور ایسے لوگوں سے علی الاعلان اپنی برارت کا اعلان فرماتے حافظ ابن حجر لسان المیزان میں نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ چند آدمی جن میں عبداللہ بن سبا بھی شامل تھا کسی مقام پر یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت علی کے خیالات اچھے نہیں ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت علیؓ ایک خاص کیفیت کے انداز میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں فرمانے لگے :

مالی ولِھٰذا الخبیثِ الاسود معاذ اللہ اَنْ اقولَ لَھما اِلا الحسنَ الجمیل (لسان المیزان جلد ۳)

میرا اس کالے گندے سے کیا واسطہ اللہ کی پناہ جو میں ان دونوں (ابوبکر و عمر) کے بارے میں بجز اچھی بات کے کچھ اور کہوں۔

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے خود عبداللہ بن سبا کو اپنے پاس بلا کر پہلے تو بہت کچھ سمجھایا بجھایا کہ وہ اپنی دروغ گوئیوں سے توبہ کرے مگر جب اس پر کوئی اثر نہ دیکھا تو اس کے مُنہ پر فرمایا کہ قیامت سے پہلے جن تیس دجالوں کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے ان میں سے ایک تو بھی ہے[1]"۔

سبائی جب اپنی دروغ بافیوں سے کسی طرح باز نہ آئے اور ہر طرح کی تادیبی کارروائیوں کے باوجود جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلانے میں مصروف رہے تو بالآخر حضرت علی نے مجبور ہو کر ان لوگوں کو آگ میں جھونک دینے کا حکم صادر کر دیا اور حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ

قد احرقھم علی خلافتہٖ (لسان المیزان ص۲۹)۔

(حضرت علی نے) ان لوگوں کو اپنی خلافت میں جلا دیا۔

اس احتیاطی تدبیر کے علاوہ حضرت علی نے وضع حدیث کے فتنے کی سرکوبی کے لیے ایک بڑا کام یہ کیا کہ تقلیل روایت یعنی حدیثیں بہت کم روایت کرنے کا طریقہ جو اب تک

---

[1] لسان المیزان

آپ نے اپنے پیشرو خلفائے راشدین کے طرز پر اختیار کیا ہوا تھا یک لخت ترک کر دیا اور روایتوں کی اشاعت میں تکثیر کا طریقہ اپنا لیا۔ ظاہر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق معلومات کے اس قیمتی ذخیرے کے مقابلے میں جو حضرت علیؓ کے اپنے چشم دید مشاہدات و سموعات پر مشتمل تھا اُن بے سروپا باتوں کی بھلا کیا وقعت باقی رہ سکتی تھی جو سبائی مختلف ذرائع سے پھیلاتے پھرتے تھے۔ سبائی موضوعات سے عام لوگوں کی توجہ ہٹانے اور اسے بے وقعت بنانے کی اس تدبیر سے بہتر اور کوئی تدبیر ہو ہی نہیں سکتی تھی جو حضرت علی نے اختیار کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے متعلق جو معلومات بھی آپ کے پاس تھیں ان کی وسیع پیمانے پر اشاعت شروع کر دی۔

اس کے علاوہ خود قبول حدیث میں اس قدر احتیاط سے کام لینے لگے کہ جب بھی کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث آپ کے سامنے بیان کرتا تو اس وقت تک اسے قبول نہ کرتے جب تک راوی سے اس پر قسم نہ لے لیتے۔[1]

قبول حدیث میں حضرت علیؓ کی جانب سے قسم کی اس شرط کے بارے میں اور روایتوں کی اشاعت میں "تکثیر کا طریقہ اپنانے سے متعلق تفصیلی بحث ہم نے اسی کتاب کے پہلے حصے میں "حفاظت حدیث اور خلفائے راشدین" کے عنوان کے تحت بیان کی ہے قارئین مراجعت فرمائیں۔

بہرحال ہمیں بتلانا یہ تھا کہ وضع حدیث کا فتنہ تقریباً ۳۷ھ ہجری اور ۶۰ھ ہجری کے درمیانی عرصے میں رونما ہوا اوّلین واضع حدیث سبائی اور شیعہ تھے مگر وضع حدیث کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہی صحیح و غیر صحیح احادیث کے درمیان امتیاز قائم رکھنے کی کوششوں کی ابتدا بھی ہو گئی جو بعد میں چل کر مستقل ایک فن کی شکل اختیار کر گئی۔

امام بخاری کی چھ لاکھ حدیثوں کی اصل حقیقت

اب ہمیں وضع حدیث سے متعلق منکرین حدیث کے اعتراض کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ

سلسلے میں اُن کی صرف اس آخری بات کا جواب دینا ہے کہ امام بخاری کے زمانے میں چھ لاکھ حدیثیں رائج تھیں جن میں سے امام صاحب نے صرف نو ہزار کو صحیح احادیث کی حیثیت سے منتخب کیا تھا۔

ہم یہ تو نہیں سمجھتے کہ منکرین حدیث علم حدیث سے اس قدر بے بہرہ ہوں گے کہ اتنا بھی نہ جانتے ہوں کہ حدیثوں کی یہ چھ لاکھ کی تعداد طرق و اسانید کے لحاظ سے تھی یا اپنے متون کے اعتبار سے اور نہ ہی ہم تاریخ حدیث سے انہیں اتنا نابلد خیال کرتے ہیں کہ وہ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہوں کہ جو حدیثیں امام بخاری نے منتخب کی ہیں بس وہی صحیح ہیں اور باقی تمام روایات غیر صحیح ہیں البتہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ منکرین حدیث چونکہ علمی دیانت کا قطعاً کوئی پاس نہیں کرتے اس لیے وہ حقیقت حال سے بخوبی واقف ہونے کے باوجود عام سادہ لوح ناواقف مسلمانوں کو یہی تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اوّل تو چھ لاکھ جتنی کثیر تعداد میں احادیث کا موجود ہونا محل تعجب ہے چھ لاکھ میں سے نو ہزار کے انتخاب کا مطلب یہ ہوا کہ چھ لاکھ احادیث میں سے بس وہ نو ہزار تو امام بخاری کی نظر میں صحیح تھیں جو انہوں نے اپنی صحیح میں لے لیں اور باقی پانچ لاکھ اکیانوے ہزار احادیث کو امام بخاری جعلی اور جھوٹی تصور کرتے تھے اسی لیے انہوں نے ان سب کو اپنی صحیح میں نہیں لیا۔

دراصل یہ دونوں باتیں ہی خلاف واقعہ ہیں نہ اپنے الگ الگ مفہوم اور علیحدہ علیحدہ موضوع کے اعتبار سے احادیث کی تعداد چھ لاکھ ہے اور نہ یہ دعویٰ درست ہے کہ جو حدیثیں امام بخاری نے اپنی صحیح میں لی ہیں ان کی نظر میں بس وہی صحیح تھیں باقی تمام احادیث کو وہ جعلی اور جھوٹی خیال کرتے تھے۔

حقیقت اصل میں یہ ہے کہ محدثین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو متون کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے طریقوں اور ان کی سندوں کے اعتبار سے گنتے تھے مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل یا آپ سے متعلق کوئی واقعہ اگر ایک سند سے روایت ہوا ہے تو محدثین کے نزدیک وہ ایک حدیث ہے لیکن وہی قول یا فعل یا آپ سے

Marfat.com

متعلق وہی واقعہ ایک سند کے بجائے متعدد سندوں سے روایت ہوا ہے تو محدثین اس کو ایک حدیث کے بجائے متعدد احادیث شمار کریں گے دراصل صحابہ سے احادیث اخذ کرنے والوں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ایک ہی روایت کو جن جن صحابیوں سے ممکن ہو سب سے سنا جائے چونکہ راویوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ روایت اپنی قطعیت میں بلند ہوتی جاتی تھی اس لیے ہر راوی اپنی روایتوں میں قوت پیدا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ راویوں کی تلاش میں رہتا تھا شروع شروع میں تو یہ سلسلہ مختصر ہی رہا مگر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ راویوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی تا آنکہ امام بخاریؒ کے زمانہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک قول، ایک ایک فعل اور آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ بکثرت بہت سی سندوں سے روایت ہونے لگا اور اس طرح احادیث کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور جیسا کہ اسی کتاب کے پہلے حصے میں ہم کہیں کہیں لکھ آئے ہیں کہ متون کے اعتبار سے صحیح احادیث کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ ہے اور اگر ہیچ کے ساتھ دیگر تمام قسم کی احادیث بھی جمع کر لی جائیں تب بھی تمام حدیثوں کی تعداد بشمول موضوع احادیث پچاس ہزار سے زیادہ نہیں ہے تو یہ چند ہزار احادیث کی تعداد بکثرت راویوں سے روایت ہونے کی بنا پر لاکھوں تک پہونچ گئی

اس اعتبار سے یہ بات تو بالکل صحیح ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانے میں چند ہی حدیثیں رائج تھیں بلکہ چھ لاکھ ہی نہیں اس سے بھی کچھ زیادہ ہی تھیں مگر یہ تمام تعداد کی بنا پر تھا یعنی بکثرت راویوں سے مروی ہونے کی بنا پر تھا احادیث کے مفہوم و مضمون کے اعتبار سے نہ تھا۔ ذرا اندازہ کیجئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد انما الاعمال بالنیات اپنے مضمون کے اعتبار سے تو صرف ایک ہی حدیث ہے مگر چونکہ اس کے راویوں کی تعداد سات سو سے بھی تجاوز ہے اس لیے محدثین اس کو ایک حدیث نہیں بلکہ سات سو حدیثیں شمار کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ حدیثوں کی تعداد کا تعین کرتے وقت اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ امام بخاریؒ کے دور تک حدیث کے لفظ کے اطلاق میں اس قدر

Marfat.com

توسع اور کشادگی آگئی تھی کہ صحابہ کرام کے اقوال و فتاویٰ نیز تابعین و تبع تابعین تک کے ملفوظات کو اصطلاحاً حدیث میں شامل سمجھا جانے لگا تھا احادیث کے شمار کا لاکھوں کے عدد تک پہونچنا کچھ اس بنا پر بھی تھا۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اب اس بات کو سمجھئے کہ احادیث کے انتخاب میں امام بخاری کا طریقہ کیا تھا۔ امام بخاری کا طریقہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول کوئی فعل یا آپؐ سے متعلق کوئی واقعہ جتنی سندوں کے ذریعے ان تک پہونچتا تھا ان میں سے جو جو سند ان کی شرائط صحت پر پوری اترتی تھیں ان تمام سندوں سے امام بخاری اس روایت کو لے لیتے تھے اور جو سندیں ان کے معیار پر پوری نہ اترتیں ان کو چھوڑ دیتے لیکن اس کے ساتھ ہی امام بخاری نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو حدیثیں انہوں نے منتخب کی ہیں بس وہی صحیح ہیں باقی تمام روایات غیر صحیح ہیں بلکہ وہ تو اس کے بالعکس بالتصریح یہ کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی صحیح احادیث خوف طوالت کی وجہ سے چھوڑ دی ہیں۔ تہذیب النووی میں امام بخاری کا یہ قول موجود ہے کہ "میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث داخل نہیں کی ہے جو صحیح نہ ہو مگر بہت سی صحیح حدیثیں صرف اس لیے چھوڑ دی ہیں کہ کہیں کتاب طویل نہ ہو جائے"[1] جب مؤلف خود یہ کہہ رہا ہے کہ میری کتاب نے تمام صحیح احادیث کا احاطہ نہیں کیا تو بھلا کسی دوسرے کو یہ کہنے کا حق کیسے پہونچتا ہے کہ مؤلف کی کتاب نے تمام صحیح احادیث کا احاطہ کر لیا ہے باقی جو کچھ ہے وہ غیر صحیح ہے بلکہ امام بخاری نے تو اپنے ایک اور قول میں جس کو محدث حازمی نے اپنی تصنیف "شروط الائمۃ الخمسہ" میں نقل کیا ہے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ جو صحیح حدیثیں میں نے چھوڑ دی ہیں وہ ان صحیح حدیثوں سے تعداد میں زیادہ ہیں جو میں نے اپنی کتاب میں لی ہیں[2]۔ اب بتلائیے ایک طرف منکرین حدیث کا یہ دعویٰ ہے کہ صحیح بخاری کے علاوہ جتنی احادیث ہیں وہ امام

---

[1] تہذیب النووی جلد ۱ ص ۷۴ [2] شروط الائمۃ الخمسہ ص ۹۴

Marfat.com

بخاری کی نظر میں غیر صحیح ہیں دوسری طرف صحیح بخاری کے خود مؤلف کا کہنا ہے کہ میری تالیف میں ساری صحیح احادیث جمع نہیں ہو سکیں جتنی صحیح احادیث میں نے اپنی تالیف میں جمع کی ہیں اس سے زیادہ صحیح احادیث میں نے طوالت کے خوف سے چھوڑ بھی دی ہیں ہر صاحب عقل خود فیصلہ کر سکتا ہے کس کی بات ماننے کے قابل ہے اور کس کی رد کر دینے کے قابل۔ صحیح بخاری کے مؤلف امام بخاری کی یا نرم گدوں پر بیٹھ کر حدیث کا انکار کرنے والوں کی ؟

اس حقیقت کا ثبوت کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں تمام صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا امام بخاری کے اس قول سے بھی ملتا ہے جس کو محمد ابن حمدویہ نے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں"۔ اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے آپ نے صرف نو ہزار کو اپنی صحیح میں لیا ہے باقی اکیانوے ہزار صحیح احادیث ایسی ہیں جن کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس لیے نہیں لیا کہ کہیں کتاب طویل نہ ہو جائے۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے منکرین حدیث ناواقف حال لوگوں کو ایک اور مغالطہ بھی دیا کرتے ہیں وہ اپنے موقف کے حق میں دلائل بیان کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ علم حدیث میں صحیح کا لفظ بھی حدیث کے معنے میں مستعمل ہے گویا صحیح کے ماسوا جتنی حدیثیں ہیں وہ سب جھوٹی شمار ہوتی ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، علم حدیث کی اصطلاح میں "صحیح" سے مراد وہ حدیث ہے جس کی سند میں صحت کی مخصوص قسم کی شرائط پائی جاتی ہوں اس سے کم تر درجے کی سندوں کے لیے یعنی ان سندوں کے لیے جو ثقہ اور قابل اعتماد تو ہوتی ہیں مگر اتنی اعلیٰ درجے کی نہیں ہوتیں محدثین "صحیح" کے لفظ کے بجائے دوسرے مختلف الفاظ مثلاً صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں اس لیے علم حدیث میں جہاں کہیں "حدیث صحیح کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس سے یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ "حدیث صحیح

لہ شروط الائمۃ الخمسہ للحازمی صہ ۴۹

Marfat.com

کے سوا باقی جتنی حدیثیں ہیں وہ سب جھوٹی ہیں۔

بہر حال اب تک کی گفتگو سے قارئین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ وضع حدیث سے متعلق جتنی بھی باتیں منکرین حدیث کی جانب سے کہی گئی ہیں سب بے بنیاد ہیں۔ ابتدا میں منکرین حدیث کے جن چند اعتراضات کا ہم نے حوالہ دیا تھا ان میں ترتیب کے لحاظ سے سب سے پہلا نمبر وضع حدیث سے متعلق اعتراض ہی کا تھا جس پر اب تک ہم گفتگو کرتے رہے۔ اب ہم ان کے دوسرے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۲۔ خلاف عقل و درایت روایات کی اصل حقیقت

دوسرے نمبر پر جس اعتراض کا ہم نے اوپر ابتداءً ذکر کیا ہے وہ خلافِ عقل و درایت روایات سے متعلق ہے منکرین حدیث کا کہنا یہ ہے کہ بعض احادیث خلافِ عقل و درایت ہیں اس کے باوجود محدثین کے یہاں انہیں صحت کا درجہ حاصل ہے حالانکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا رسول کوئی ایسی بات کہے جو عقل اور درایت کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو اپنے اس دعوے کی تائید میں وہ چند ایسی احادیث بھی پیش کرتے ہیں جو انہیں خلافِ عقل نظر آتی ہیں۔

اس سلسلے میں منکرین حدیث کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ احادیث بنویہ کو اسی ترازو میں تولتے ہیں جس میں عام غیر نبی انسانوں کے اقوال و اخبار کو تولا جاتا ہے دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام ان لوگوں کی نظر میں ہے ہی ایک عام انسان کا ان کے نزدیک اللہ کے رسول کے کلام میں نہ تو وحی کی کوئی خصوصیت پائی جاتی ہے اور نہ قرآن کے علاوہ کسی اور صورت میں اس پر غیبی امور منکشف ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے رسول میں سوائے اس کے کہ اس پر قرآن کا نزول ہوا ہے کوئی اور ایسی غیر معمولی بات سرے سے پائی ہی نہیں جاتی جو اسے عام بنی نوع انسان سے ممیز و ممتاز کر دے۔ اس بنیادی غلطی کے نتیجے میں منکرین حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو پرکھنے کے لیے وہی مقیاس و معیار مقرر کرتے ہیں جو عوام الناس کی باتوں کو پرکھنے کے لیے عام طور پر معروف خیال کیا جاتا ہے۔ منکرینِ حدیث کی ساری غلط

فہمیاں دُور ہو سکتی ہیں اگر وہ اُصولی طور پر اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم خدا کے فرستادہ اور جوامع الکلم کے حامل تھے، آپ کی روحانی بلندی ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ ملی ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپؐ کے ہر ہر قول اور ہر ہر فعل سے نور و حکمت اور علم و معرفت کے سوتے پھوٹتے تھے اور آپؐ ان غیبی اسرار سے آگاہ تھے جن سے کوئی دوسرا بشر آگاہ نہیں ہے۔

اس اُصولی حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی حدیث کسی بھی صورت میں خلافِ عقل و درایت نظر نہ آئے گی اس لیے کہ عقلاً یہ عین ممکن ہے کہ آپؐ ملاءِ اعلیٰ سے براہِ راست رابطہ رکھنے کی بنا پر کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیں جو ایک مخصوص زمانے کے لوگوں کے لیے بالائے فہم و ادراک ہو مگر وہی ارشاد آنے والے اس دور کے عین مطابق ہو جب انسانی فہم و ادراک نے ترقی کی نئی منازل طے کر لی ہوں۔ اسی طرح عقلاً اس بات کا بھی امکان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی بنیاد پر کسی ایسے علمی معجزے کی خبر دی ہو جو ابھی ظہور میں نہیں آیا اور اس لیے ہماری محدود عقل اس کو سمجھنے سے قاصر ہو نیز اس میں بھی کوئی عقلی استحالہ درپیش نہیں کہ غیبی اسرار پر مطلع ہونے کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی حقیقت کی طرف اشارہ فرما دیں جو آج کے معلوم و معروف حقائق سے ہم آہنگ نہ ہو لیکن آگے چل کر اس حقیقت پر سے پردہ اُٹھ جائے اور کھلی آنکھوں سب کچھ مشاہدہ ہو جائے۔

یہ تو ایک اُصولی بات تھی جہاں تک امرِ واقعہ کا تعلق ہے کوئی بھی صحیح حدیث عقل سے ہی نہیں اتنی بات تو معترضین بھی مانیں گے کہ خلافِ عقل وہ چیز ہوا کرتی ہے جس سے کوئی محال لازم آئے تو پورے ذخیرۂ حدیث میں پوری تحقیق و جستجو کے بعد بھی کوئی ایک صحیح حدیث بھی خواہ وہ صحت کے نچلے درجے ہی کی کیوں نہ ہو ایسی نہیں ملے گی جس سے کوئی محال لازم آتا ہو البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے عقل کی سلامتی ایک شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے وہ عقل جو مریض اور بیمار نہ ہو جو نفسانی ظلمتوں اور ناصیانہ نجاستوں سے آلودہ نہ ہو اور وہ عقل جو حق کی متلاشی ہو کسی تعصب کا شکار

Marfat.com

نہ ہو حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے ایسی ہی عقل کی ضرورت ہے۔ مریض اور بیمار عقل یا وہ عقل جو کسی تعصب کے زیر اثر ہو حدیث کی جانچ پرکھ کی صلاحیتوں سے محروم ہوتی ہے اس لیے کہ وہ مخصوص جذبات و احساسات سے مغلوب ہوتی ہے نتیجتاً اپنے نظریات و افکار کی بنیاد ایسے شکوک و شبہات پر رکھتی ہے جو کوتاہی فکر و نظر اور غفلت پر مبنی ہوتے ہیں ایسی عقل شتر بے مہار کی طرح ہوتی ہے ایسی عقل کو نقد حدیث کی اجازت دے دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے خود اس بات کا سامان مہیا کر دیا کہ سنت صحیحہ کے لیے سرے سے کوئی مضبوط اساس ہی باقی نہ رہے۔

علاوہ ازیں ہر کہ و مہ کی عقل کو نقد حدیث کے لیے حکم ٹھہرانا یوں بھی خود خلاف عقل ہے کون نہیں جانتا کہ مختلف اشخاص کے اعتبار سے عقل کے درجات بھی مختلف و متعدد ہوتے ہیں بسا اوقات، ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو ایک شخص درست اور صحیح سمجھتا ہے جبکہ اسی چیز کو دوسرا شخص غلط اور غیر صحیح خیال کرتا ہے عین ممکن ہے کہ ایک چیز ایک شخص کی سمجھ سے بالاتر ہو مگر دوسرے شخص کے لیے وہی چیز اس کے فہم و ادراک کے بہت قریب نظر آتی ہو یہی وجہ ہے کہ تمام امور میں رائے وہی وقیع خیال کی جاتی ہے جو متعلقہ امور کے ماہرین کی جانب سے دی گئی ہو اس لیے کہ وہ ان امور کے مالہٗ اور ماعلیہ سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ نقد حدیث کا بھی بالکل یہی معاملہ ہے اس کے لیے بھی اگرچہ ماہرین حدیث ہی کی رائے کو وقعت حاصل ہے تاہم معترضین اگر ماہرانہ صلاحیتوں سے محروم ہوں تو کم از کم ان سے ہمارا اتنا مطالبہ تو کسی طرح بھی بے جا نہیں کہ وہ اپنے اذہان کو نفسانی ظلمتوں اور نجاستوں سے پاک کر کے نیز اپنی آنکھوں پر سے تعصب کی عینک اتار کر احادیث نبوی میں غور کریں انشاء اللہ ان کو کوئی ایک حدیث بھی خلاف عقل و درایت نظر نہ آئے گی۔

نقد حدیث کے لیے عقل کے اصل معیار پر اس اصولی گفتگو کے بعد اب ہم

Marfat.com

نمونے کے طور پر چند ایسی روایات کا جائزہ لیں گے جو عقل کے عین مطابق ہونے کے باوجود منکرین حدیث کو خلاف عقل و درایت نظر آتی ہیں تاکہ یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ معترضین کا ذہن کس انداز سے سوچتا ہے اور اصل حقیقت کیا ہے قارئین انشاء اللہ خود دیکھ لیں گے کہ خلافِ عقل احادیث نبوی نہیں بلکہ وہ منفی سوچ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی احادیث کے بارے میں منکرین حدیث نے اپنائی ہوئی ہے۔

سورج کی سجدہ ریزی

مثال کے طور پر پہلی حدیث وہ ہے جس کو امام بخاری نے کتاب بدء الخلق میں باب صفت الشمس والقمر میں حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے اور جس میں سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنا اور دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگنا مذکور ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قالَ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم لاَبی ذرٍّ حین غربت الشمس تدری اَین تذھب قلتُ اللہ ورسولہٗ اَعلم قال فانّھا تذھبُ حتّٰی تسجدَ تحت العرش فتستاذِن فیوذن لھا ویوشک ان تسجدَ فلا یُقبلُ منھا وتستاذن فلا یوذن لھا یقال لھا ارجعی من حیث جئت فتطلع من مغربھا فذلک قولہٗ تعالٰی والشمس تجری لمستقرٍّ لھا ذالک تقدیر العزیز العلیم۔

(بخاری کتاب بدء الخلق باب صفت الشمس والقمر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج غروب ہوا تو حضرت ابوذر سے فرمایا جانتے ہو سورج کہاں جاتا ہے میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا وہ جاتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر (طلوع ہونے کی) اجازت مانگتا ہے اور اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور عنقریب وہ وقت آئے گا کہ وہ سجدہ کرے گا مگر قبول نہ ہوگا اور اجازت مانگے گا مگر اسے اجازت نہ ملے گی اسے حکم ہوگا کہ پلٹ جا جہاں سے آیا ہے اور پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا اور یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا کہ آفتاب اپنے مستقر چلتا رہتا ہے یہ اندازہ ہے زبردست اور علم والے کا۔

Marfat.com

اس حدیث میں منکرین حدیث کو جو باتیں خلاف عقل نظر آتی ہیں وہ مختصراً کچھ اسطرح ہیں کہ

(۱) سورج بھلا سجدہ کس طرح کر سکتا ہے سورج کا سجدہ میں گر پڑنا کسی طرح عقل میں آنے والی بات نہیں۔

(۲) اس حدیث میں طلوع و غروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ بتلایا گیا ہے حالانکہ آج ایک سکول کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ طلوع و غروب سورج کی گردش کا نہیں زمین کی گردش کا نتیجہ ہے۔

(۳) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی سراسر خلافِ عقل ہے۔

اَب ہم ایک ایک کر کے ان تینوں شبہات کا جواب دیتے ہیں جہاں تک سورج کے سجدے میں گر پڑنے کا تعلق ہے تو حیرت ہے منکرین حدیث کی بیمار عقل اتنی سی بات نہ سمجھ سکی کہ سورج کا سجدہ وہ سجدہ نہیں ہے جو زمین پر سر ٹیک کر کیا جاتا ہے بلکہ وہ سجدہ ہے جو اظہار عبودیت کے لیے اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ ہمہ وقت اپنے رب کے سامنے کرتے رہنے پر مجبور ہے قرآن زمین و آسمان کی ہر چیز کو اللہ کے آگے سجدہ ریز قرار دیتا ہے مثلاً قرآن کہتا ہے وللہ یسجد من فی السموٰات والارض طوعًا وکرھًا وظلالھم بالغدوّ والآصال (جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں چار و ناچار اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور صبح و شام ان کے سائے (بھی اسی کو سجدہ کرتے ہیں) الرعد - ۱۵) یا اسی طرح ایک مقام پر قرآن کریم ستاروں اور درختوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے سربسجود ہیں چنانچہ سورۂ رحمٰن میں ہے والنجم والشجر یسجدان (نجم و شجر اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں - الرحمٰن - ۶) تو اب کیا قرآنی آیات کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ چونکہ فلاں فلاں آیت میں خلافِ عقل مضمون بیان ہوا ہے جس کا صدور اللہ سے ممکن نہیں اس لیے اس قسم کی تمام آیات معاذ اللہ موضوع اور ناقابل اعتبار ہیں۔ منکرین حدیث جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں ذرا بتلائیں کہ متذکرہ بالا قسم کی آیات قرآنی میں سجدے سے کونسا سجدہ مراد ہے۔ جو مراد وہ ان آیات کی بیان کریں گے وہی مراد ہماری جانب سے محولہ بالا حدیث نبوی کے بارے میں سمجھ لیجئے ظاہر ہے اس

Marfat.com

قسم کی آیات قرآنی میں سجدے سے مُراد سجدۂ تسخیری ہے یعنی کلیتہً امر رب کا تابع ہونا' بس یہی سجدۂ تسخیری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تسجد تحت العرش سے بھی مُراد ہے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخاطب کو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ سورج ہر آن اللہ تعالےٰ کے حکم کا تابع ہے اس کا طلوع بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کا غروب بھی یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ چونکہ سورج کا مغرب ایک نہیں ہے بلکہ قرآن کی رو سے بہت سے مغرب ہیں جیسے قرآن کہتا ہے **ربّ المشارق و المغارب** (مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم - المعارج - ۴۰) اور سورج ہر آن ایک خطّۂ زمین میں غروب اور ہر آن دُوسرے خطے میں طلوع ہوتا رہتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں سجدہ ریز ہو کر طلوع و غروب کی اجازت مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ سورج ہر آن اور ہر لمحہ امرِ الٰہی کا تابع ہے -

رہا منکرین حدیث کا دوسرا شبہ کہ اس حدیث میں طلوع و غروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ سمجھا گیا ہے جبکہ سائنسی تحقیق بتلاتی ہے کہ طلوع و غروب زمین کی گردش کا نتیجہ ہے تو اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات کو من کا ہمیشہ بدلتے رہنا تجربے سے ثابت ہو چکا ہے قرآنی آیات یا احادیث نبوی کے لیے معیار ٹھہرانا خود خلاف عقل ہے عین ممکن ہے کہ جو سائنس آج سورج کو ساکن اور زمین کو متحرک قرار دیتی ہے کل اس کی تحقیق بدل جائے اور وہ زمین کو ساکن اور سورج کو متحرک قرار دینا شروع کر دے چنانچہ اس رُخ پر سائنس نے سوچنا شروع کر بھی دیا ہے تو اوّل تو یہ معیار ہی غلط ہے - دُوسری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ اتنی بات تو تمام مسلمین کو بھی تسلیم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طبیعیات یا ہیئت اور کیمیا کے مسائل نہیں نوع انسان کو سکھانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ عرفان حقیقت بخشنے اور فکر و عمل کی اصلاح کرنے کے لیے تشریف لائے تھے آپ نے زمین یا سورج کا ذکر کیا ہے تو یہ بتلانے کے لیے نہیں کیا کہ ان میں سے کون متحرک ہے اور کون ساکن بلکہ یہ سمجھانے کے لیے کیا ہے کہ زمین اور سورج دونوں کا مالک و خالق صرف ایک ذات ہے جس کا نام اللہ ہے

Marfat.com

اَب اس حقیقت کی تعلیم دینے کے لیے عقل کیا کہتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس علم اشیاء سے مدد لینی چاہیئے تھی جو آپ کے زمانے میں موجود تھا یا اس کو چھوڑ کر ہزار ڈیڑھ ہزار سال بعد کے علم اشیاء کو اس حقیقت کی تعلیم کا ذریعہ بنانا چاہیئے تھا ظاہر ہے عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اپنے ہی زمانے کے علم اشیاء سے کام لینا حکمت تبلیغ کے عین مطابق ہے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان حقائق کو ذریعۂ تعلیم بناتے جو صدیوں بعد انسان کے علم میں آنے والے تھے تو آپؐ کی تعلیم آپؐ کے عہد کے لوگوں میں مقبول تو کیا ہوتی سمجھ ہی میں نہ آتی لوگ اصل تعلیم کو چھوڑ کر اس بحث میں پڑ جاتے کہ آخر وہ کونسی دُنیا ہے جس کی ایسی عجیب غریب باتیں آپؐ سنا رہے ہیں۔ ذرا سوچئے تو سہی اگر زیر بحث حدیث کا مضمون اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس انداز سے بیان کیا جاتا کہ سننے والا طلوع وغروب کا سبب سورج کے بجائے زمین کی حرکت کو سمجھتا تو آج کی دُنیا کی نظر میں تو بے شک وہ ایک علمی معجزہ ہوتا مگر خود آپؐ کے زمانے کے لوگوں کے بارے میں معترضین کا کیا خیال ہے وہ اس علمی معجزے کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے؟ اور پھر اس علمی معجزے کے معمّے کی بھول بھلیوں میں پھنس جانے کی بنا پر وہ مضمون ان کے دل و دماغ میں کہاں تک اترتا جو فی الحقیقت سمجھانا مقصود تھا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کوئی ایک شخص بھی شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے متاثر ہو کر نہ دیتا اور جب آپؐ کے زمانے کے لوگ ہی ایسے علمی معجزوں کی بدولت ایمان لانے سے محروم رہ جائے تو یہ علمی معجزے بعد کی نسلوں تک پہنچتے ہی کیا کہ ان سے داد وصول کرتے۔ غرض حکمت تبلیغ اسی طرزِ عمل کی متقاضی تھی جو آپؐ نے اختیار فرمایا کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے علم و فہم کے مطابق ان سے کلام کیا اور جن حقائق کو آپؐ لوگوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے ان کی تفہیم کے لیے ان معلومات سے کام نہیں لیا جو صدیوں بعد ظہور میں آئیں۔

رہی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی بات تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے جو ذات اس سورج کی خالق ہے اس کو تھامے ہوئے ہے اور جو ذات زمین کو ایک منضبط گردش میں رکھے ہوئے ہے وہی ذات اس پر بھی قادر ہے کہ اس سارے نظام کو الٹا

Marfat.com

چلا دے اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکلتا ہُوا نظر آئے سائنسی نقطہ نظر سے بھی اس امر کا امکان موجود ہے کہ دُنیا کا قانون جذب و کشش یکایک ایک پلٹی کھائے اور تمام سیّارے موجودہ رفتار کے مقابلے میں بالکل الٹ رفتار سے چلنا شروع کر دیں طبعیات اور ہیئت کے موجودہ قوانین کو کوئی بھی اٹل نہیں مانتا ان قوانین میں تغیر واقع ہونے یا بالکلیہ اس کے درہم برہم ہوجانے کے امکانات کی موجودگی کا ہر کوئی قائل ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ سورج کے طلوع و غروب کا موجودہ قانون یکایک بدل جائے اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو۔

سردی و گرمی اور دوزخ کی دو پھونکیں

دوسری ایسی ہی ایک اور حدیث جو منکرین حدیث کو خلافِ عقل نظر آتی ہے وہ ہے جس کو امام بخاری نے کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اس کا متن ملاحظہ فرمایئے:

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم انّه قال اذا اشتدّ الحرّ فابردو بالصلوٰة فانّ شدة الحرّ من فيح جهنم فاشتكت النّار الى ربها فقالت يا ربّ اكل بعضی بعضًا فاذن لها بنفسين نفس فی الشتاء ونفس فی الصيف وهو اشدّ ما تجدون من الحرّ وهو اشد ما تجدون من الزمهرير

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب ابراد بالظہر)

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب گرمی کا زور ہو تو نماز ٹھنڈی کرکے (یعنی ٹھنڈے وقت میں) پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھپ تک سے ہے جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا اے رب میرے ایک حصّہ نے دُوسرے حصّے کو کھا لیا ہے۔ اللہ نے اسے دو سانس یعنے کی اجازت دیدی ایک سانس کی جاڑے میں اور ایک سانس کی گرمی کے موسم میں اور وہ (گرمی کا سانس) اس سخت گرمی جیسا ہے جو تم محسوس کرتے ہو اور وہ (سردی کا سانس) اس سخت سردی جیسا ہوتا ہے جو تم محسوس کرتے ہو۔

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھپ تک کی

Marfat.com

وجہ سے ہوتی ہے نیز سردی اور گرمی کے موسم جہنّم کی دو پھونکوں کے سبب سے آتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے موسموں کا تغیر زمین کی مداری گردش اور سُورج کے قربُ بعد کی بنا پر ہے۔

اس حدیث کے بارے میں بھی بنیادی بات یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ایک عالمِ طبیعیات کی حیثیت سے موسمی تغیرات کی وجوہ بیان فرمانا نہیں ہے بلکہ آپؐ ایک نبی کی حیثیت سے گرمی کی تکلیف محسوس کرنے والوں کو جہنّم کا تصوّر دلانا چاہتے ہیں۔ دوپہر کے وقت صحرائی عرب کی گرمی کا جو حال ہوتا ہوگا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے ایسی گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے نکلنا واقعی بڑا شاق گذرتا ہوگا چنانچہ مسند امام احمد میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول بھی ہے کہ لم یکن یصلّی صلوٰۃ شدّ علی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھا (اس (ظہر) کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق نہ تھی) اس پس منظر میں آپؐ دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس سے آپؐ کا مقصود دوزخ سے ڈرانا اور ان کاموں سے روکنا تھا جو انسان کو دوزخ کی طرف لے جانے والے ہیں۔ آپؐ کا یہ ارشاد قرآن کریم کے اس ارشاد سے ملتا جلتا ہے جو غزوۂ تبوک کے موقعہ پر ان لوگوں کے لیے جو گرمی سے گھبرا کر جہاد پر نکلنے سے جی چرا رہے تھے فرمایا گیا تھا کہ وقالوا لا تنفروا فی الحرِّ قل نارُ جھنم اشدّ حرًّا (انہوں نے کہا کہ اس گرمی میں (جہاد کے لیے) نہ نکلو (اے نبی) ان سے کہہ دیجئے کہ جہنّم کی آگ اس گرمی سے زیادہ گرم ہے۔ توبہ - ۸۱) جس طرح قرآن دُنیا کی گرمی کا جہنّم کی گرمی سے مقابلہ اس لیے کر رہا ہے کہ پس منظر میں وہ لوگ ہیں جو گرمی سے گھبرا کر جہاد پر جانے سے ہچکچا رہے ہیں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا کی شدید گرمی اور شدید سردی کو دوزخ کی محض دو پھونکوں کے برابر اس لیے بتا رہے ہیں کہ پس منظر میں وہ لوگ موجود ہیں جو جاڑے میں صبح کی اور گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے گھروں سے نکلنا شاق سمجھ رہے ہیں۔

فان شدّۃ الحرّ من فیح جھنم کہنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُراد لازماً یہی نہیں ہے کہ دُنیا میں گرمی جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ اس سے آپؐ کی مُراد

Marfat.com

یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ جہنم کی پھونک کی قسم یا جنس سے ہے اس لیے کہ عربی زبان میں لفظ مِنْ بیان جنس کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح گرمی اور سردی کے موسموں کے بارے میں آپؐ کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ یہ دونوں موسم جہنم کی دو پھونکوں کے سبب سے آتے ہیں بلکہ آپؐ کا کہنا یہ ہے کہ اللہ نے دوزخ کو دو سانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی کے موسم میں اور ایک سانس گرمی کے موسم میں اور یہ جو تم گرمی سردی محسوس کرتے ہو اس کو دوزخ کے انہی دو سانسوں پر قیاس کر لو۔ غرض جس شخص نے بھی قرآن اور سیرت نبوی میں کچھ بھی غور کیا ہوگا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متذکرہ حدیث سن کر بلا تامل کہہ اٹھے گا کہ اس میں آپؐ نے طبعیات کے کسی مسئلہ کو نہیں بلکہ جہنم کی شدت گرمی کو ذہن نشین کرانا چاہا ہے۔

گرگٹ کی پھونکیں

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے جس کا مضمون منکرین حدیث کو خلافِ عقل نظر آتا ہے حضرت امّ شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

اَنَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اَمر بقتلِ الوزغ وقال کان ینفخُ علیٰ ابراھیم علیہ السلام

(بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ۔ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم پر آگ پھونکتا تھا۔

اس حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کو عقلی استحالہ یہ درپیش ہے کہ آخر ایک گرگٹ کی پھونکوں میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آگئی اور پھر ایک گرگٹ کے بدلے میں گرگٹوں کی ساری نسل کو سزا دینا کہاں کا انصاف ہے؟

منکرین حدیث اس حدیث پر اعتراض کرنے سے پہلے اگر ان احادیث پر بھی نظر ڈال لیتے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ یعنی گرگٹ کو

Marfat.com

فُوَیسِق یعنی موذی جانوروں میں سے قرار دیا ہے تو ان کو محولہ بالا حدیث میں کوئی عقلی استحالہ پیش نہ آتا اور بات بخوبی سمجھ میں آجاتی۔ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند جانوروں کو فواسق (موذی) قرار دے کر یہ فرمایا تھا کہ انہیں حرم میں اور حالت احرام میں مار دینے کی بھی اجازت[1] ہے ان میں بچھو، باؤلا کتا اور چوہا وغیرہ شامل ہیں ادھر بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے گرگٹ کو بھی[2] موذی قرار دیا تھا اب اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے محولہ بالا حدیث کے مفہوم میں غور کیجئے اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گرگٹ کی پوری نسل کو اس لیے مار ڈالا جائے کہ اس کے ایک فرد نے حضرت ابراہیم پر آگ بھڑکائی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک موذی جانور ہے اور اس کو دوسرے موذی جانوروں کی طرح انسان سے دشمنی ہے چنانچہ اس کی انسان دشمنی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سارے جانوروں میں سے یہی ایک جانور تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس نے اس آگ کو پھونکنے کی کوشش کی۔

رہی یہ بات کہ گرگٹ کی پھونک میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آگئی تو حدیث میں یہ کہاں کب گیا ہے کہ وہ آگ گرگٹ کی پھونکوں سے بھڑک اٹھی تھی حدیث میں تو صرف گرگٹ کی انسان دشمنی کی مثال دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کی یہ دشمنی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم پر آگ بھڑکانے کی کوشش کرتا رہا اگرچہ اس کوشش کا کوئی فائدہ نہ تھا لیکن اس جانور نے اپنی انسان دشمنی کے اظہار میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

بہرحال منکرین حدیث کی طرف سے پیش کی جانے والی اس قسم کی تمام احادیث کا احاطہ کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے ہم صرف یہ دکھلانا چاہتے تھے کہ اصل خرابی اس انداز فکر میں ہے جو احادیث نبوی کے بارے میں منکرین حدیث نے اختیار کر رکھا ہے ورنہ کوئی ایک صحیح حدیث بھی ایسی نہیں ہے جو عقل کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو۔

---

[1] بخاری بدء الخلق باب خمس من الدواب فواسق [2] بخاری بدء الخلق باب خیر مال المسلم غنم

Marfat.com

۳- احادیث نبوی اور عُریاں مضامین

منکرین حدیث کا تیسرا اعتراض ان احادیث کے بارے میں ہے جو بقول ان کے عریاں مضامین پر مشتمل ہیں ان کا کہنا ہے کہ بعض احادیث تو ایسے مضامین پر مشتمل ہیں جو اخلاقی لحاظ سے معیوب خیال کیے جاتے ہیں جبکہ بعض احادیث ایسی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی ازواج مطہرات کے درمیان خالصتاً ازدواجی تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی اکثر و بیشتر خود ازواج مطہرات کی زبانی ۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ازواج مطہرات آپؐ کی زندگی کے ایسے معاملات بھی لوگوں کو بتلا دیں اور بتلانے میں کوئی شرم محسوس نہ کریں جن کو عام طور پر میاں بیوی کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی دوسرے کو اس پر مطلع کرنا کوئی گوارا کرتا ہے ۔

احادیث نبوی پر اس قسم کے تمام اعتراضات دراصل نتیجہ ہیں اس ضمن میں چند بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دینے کا ۔ اس قسم کے شبہات کو دل میں جگہ دینے سے پہلے اگر درج ذیل چند امور کو ذہن نشین کر لیا جائے تو احادیث کے بارے میں کوئی خلجان باقی نہ رہے اور اچھی طرح یہ بات سمجھ میں آجائے کہ یہ مضامین جو بظاہر عریاں اور معیوب نظر آتے ہیں انسانی زندگی کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے ان کا بیان کیا جانا کس قدر ضروری تھا۔

چند بنیادی باتیں

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جو ذہن نشین کیے جانے کے لائق ہے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے جو تہذیب و تمدن کے بالکل ابتدائی درجے میں تھی آپؐ کے ذمے صرف یہی کام نہیں تھا کہ ان کے عقائد درست کریں بلکہ آپؐ کے ذمے یہ کام بھی تھا کہ انہیں انسان بنائیں ان کی زندگی کو سنواریں، انہیں شائستہ اخلاق سکھائیں اور انہیں پاکیزہ معاشرت، مہذب تمدن اور نیک معاملات کی تعلیم دیں ۔ یہ مقصد ظاہر ہے محض وعظ و تلقین اور چند زبانی ہدایات کے ذریعے پورا نہیں ہو سکتا تھا اس کے لیے ضرورت تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زندگی کو ان کے سامنے

انسانیت کا ایک مکمل نمونہ بنا کر پیش کریں اور ان کو پورا موقع دیں کہ وہ اس نمونے کا ایک ایک پہلو خوب اچھی طرح دیکھیں اور اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالیں۔

دوسری بنیادی بات جو اس سلسلے میں ذہن میں رکھنی ضروری ہے یہ ہے کہ انسان کی داخلی زندگی کے چند گوشے ایسے ہیں کہ انسان کی جسمانی طہارت و نظافت کا بیشتر مدار انہی گوشوں کے درست ہونے پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود دوسری قوموں کے درمیان ان گوشوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں کوئی ہدایات صرف اس لیے نہیں ملتیں کہ ان کے بارے میں شرم کا ایک بے جا احساس ہمیشہ ان کے اذہان میں موجود رہا ہے اسلام کا ہم پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان گوشوں کے بارے میں بھی ہمیں ہدایات دیں اور ان کے متعلق قواعد و ضوابط بتا کر ہمیں غلطیوں سے بچایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص شعبۂ زندگی کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی آپؐ جس قوم میں مبعوث ہوئے تھے اس خاص شعبۂ زندگی میں اس قوم کے لوگ ابتدائی ضابطوں تک سے ناواقف تھے بالخصوص تعلقات مرد و زن سے منسلک معاملات میں ان لوگوں کی ناشائستگی، ناپاکی اور بے حیائی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ذکر سے بھی گھن آتی ہے اس قوم کے لوگوں کا آپؐ نے نہ صرف تزکیۂ نفوس کیا بلکہ ان کو طہارت جسم و لباس کے طریقے بھی سکھائے ان میں پاکیزگی کا نفیس ذوق پیدا کیا ان کو نجاست اور طہارت کی تمیز عطا کی زندگی بسر کرنے کے گندے گھناؤنے اور ناشائستہ طریقوں کو موقوف کر کے اپنے قول اور عمل سے ان کے مردوں اور ان کی عورتوں کو صفائی، نفاست اور نظافت کے آداب کا خوگر بنایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت، استنجا اور غسل وغیرہ کے مسائل نیز ایسے ہی دوسرے مسائل ان لوگوں کو نہ صرف زبان سے سمجھائے بلکہ خود اپنی خالصتاً نجی زندگی کو ایک حد تک ان کے سامنے بے پردہ کر دیا تاکہ جو کچھ لوگ نہ پوچھیں یا نہ پوچھ سکیں یا جو باتیں آپؐ کو زبان سے بتانے کا موقع نہ ملے وہ لوگوں کو آپؐ کا طرز زندگی دیکھنے سے معلوم ہو جائیں۔

اس سلسلے کی تیسری بنیادی بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

Marfat.com

ایک مثالی انسان سمجھتے تھے اس لیے وہ ہمہ وقت، اس ٹوہ میں رہتے تھے کہ زندگی کے ہر کام کے بارے میں انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل کیا تھا وہ چیزیں جو محض گمان کی بنیاد پر یا یہود و نصاریٰ کے زیر اثر حرام، مکروہ اور ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھیں ان کے متعلق صرف یہ سن کر صحابہ کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ شریعت میں وہ جائز ہیں، حکم جواز کے باوجود ان کے دلوں میں یہ شک باقی رہ جاتا تھا کہ شاید ان میں کوئی کراہت کا عنصر موجود ہو جب تک وہ یہ نہ جان لیتے تھے کہ فلاں فلاں کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا اس وقت تک ان کے دلوں سے کراہت کا خیال نہیں نکلتا تھا یہ بھی ایک اہم وجہ تھی جس کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خالصتاً خانگی زندگی کو ایک حد تک بے نقاب کرنا ضروری خیال فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زبردست ایثار

ان تین بنیادی باتوں کو ذہن میں رکھئے اور احادیث نبوی کے مضامین پر غور یا اور غیر اخلاقی ہونے کا الزام لگانے سے پہلے اس حقیقت پر غور کیجئے کہ انہی تین وجوہ کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کیسا زبردست ایثار تھا کہ آپؐ نے اپنی زندگی کے ہر شعبے کو قوم کی تعلیم کے لیے پبلک بنا دیا اپنی کسی چیز کو بھی پرائیویٹ نہ رکھا حتیٰ کہ ان معاملات کو بھی نہ چھپایا جنہیں دنیا میں کوئی شخص دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا آپؐ نے لوگوں کو اذنِ عام دے دیا کہ آؤ ہر حال میں میری زندگی کے ایک ایک پہلو کو دیکھو اور زندگی کے ہر معاملے میں مجھ پر نظر رکھو کہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کرتا ہوں آپؐ نے امت کے ایک ایک فرد کو اس بات کی کھلی اجازت دیدی کہ رفتار میں گفتار میں نشست و برخاست میں سونے اور جاگنے میں عبادات و معاملات میں حتیٰ کہ اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ میں غرض ہر چیز میں ہر وقت اور ہر حال میں ہر کوئی آپؐ کے ایک ایک عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے، دیکھنے والوں سے سنے اور جاننے والوں سے پوچھے یا خود آپؐ سے دریافت کرے اور اپنی زندگی کو اسی طرز پر ڈھالنے کی کوشش کرے۔ آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات

Marfat.com

کو بھی عام اجازت دے دی کہ خلوت میں آپؐ کا جو طرزِ عمل دیکھیں اس سے عورتوں اور مردوں کو سب کو آگاہ کر دیں تاکہ لوگوں کی صرف ظاہری زندگی ہی نہیں باطنی اور مخفی زندگی بھی تہذیب و شائستگی اور طہارت و نفاست کے زیور سے آراستہ ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعض پہلوؤں کا علم چونکہ ازواج مطہرات کے علاوہ اور کسی ذریعے سے ممکن نہ تھا اس لیے اللہ تعالےٰ نے بھی اس ذریعۂ تعلیم میں آسانی پیدا کرنے کے لیے آپؐ کی ازواج مطہرات کو تمام مسلمانوں کے لیے حقیقی ماؤں کی سی حیثیت دے دی تھی اور ان کو افراد امت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا تھا تاکہ مائیں اپنے بیٹوں سے کھل کر بات کریں اور ان کے روحانی باپ کی حرکات و سکنات میں سے ہر ہر چیز کو ان کے سامنے تقلید و پیروی کی خاطر حدود حلال و حرام سے واقفیت کے پیشِ نظر اور پاک ناپاک میں تمیز کے لیے بیان کرتی رہیں اور اسی طرح بیٹے بھی تاکہ اپنی ماؤں کی خدمت میں حاضر ہو کر بلا جھجک زندگی کے مخفی سے مخفی تر گوشوں کے متعلق رہنمائی حاصل کر سکیں اور جانبین میں ان مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے کسی قسم کے ناپاک جذبے کی دخل اندازی کا خطرہ ہی باقی نہ رہے۔

وہ تمام احادیث جو منکرینِ حدیث کو عریاں مضامین پر مشتمل نظر آتی ہیں وہ سب کی سب وہ احادیث ہیں جن میں جنابت، حیض و نفاس، پاکی و ناپاکی، تعلقاتِ مرد و زن سے منسلک مسائل اور ایسے ہی دیگر امور کی نسبت انسان کے طرزِ عمل کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان احادیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور دیگر صحابیہ و صحابیات کی زبان سے سن کر منکرینِ حدیث کا بیمار ذہن اس طرف تو گیا کہ ان احادیث کے مضامین عریاں، خلافِ حیا اور غیر اخلاقی ہیں لیکن یہ نہ سوچا کہ اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تو انسانی زندگی کے کیسے کیسے اہم معاملات سے متعلق مسائل سے ہم لاعلم رہ جاتے۔ یہ انہی احادیث کی بدولت تو ہے کہ نہ صرف اہل عرب بلکہ دنیا کے کروڑہا کروڑ مسلمانوں کی نجی مخفی زندگی صفائی، جسم، طہارت لباس اور پاکیزگی اطوار نیز صنفی معاملات میں شائستگی و نظافت کے ایک عام ضابطہ کی پابند ہو گئی۔ ان معاملات

Marfat.com

کو اگر محسن شخصی ذوق اور انفرادی تمیز پہ چھوڑ دیا جاتا تو ہم میں اکثر افراد کا حال اپنی زندگی کے مخفی شعبوں میں جانوروں سے کچھ بھی مختلف نہ ہوتا۔ آج کی دُنیا کی بزعم خود متمدن غیر مسلم قوموں کا حال کس کو نہیں معلوم کھانے کے بعد مُنہ کی صفائی سے ناواقف رفع حاجت کے بعد جسم کی طہارت سے نابلد، نجاست و طہارت کے تصور سے بے بہرہ اور صنفی جذبات کی تسکین میں گھناؤنے اور گندے طریقوں کے عادی، ان میں اور جانوروں میں کوئی بھی تو فرق نہیں بلکہ قرآن کے الفاظ میں **اولئک کالانعام بل ھم اضل** - یہ احادیث نہ ہوتیں تو بلاشبہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا۔

حق یہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بہت بڑا اثبات تھا کہ طبعاً انتہا درجے کے شرمیلے اور حیادار ہونے کے باوجود افراد امت کی تعلیم کے لیے حیا کے پردے کو اٹھا دیا اور ہر قسم کے معاملات میں اپنی روحانی اولاد کو جن میں بیٹے اور بیٹیاں سب شامل تھے خود ہدایات دیں، ان کو اجازت دی کہ جو چاہیں پوچھیں اور ان کو اس کا موقع دیا کہ جہاں تک آپؐ کے اندرونی حالات سے وہ واقف ہو سکتے ہوں واقف ہوں خود بھی معلوم کریں اور دوسروں کو بھی بتائیں کہ ایک پاکیزہ مہذب اور شائستہ زندگی کیسی ہوتی ہے فی الحقیقت کیسا زبردست ایثار ہے جس ذات پاک کی حیا کا یہ عالم تھا کہ اس کی شریک زندگی تک کو عمر بھر کبھی اسے برہنہ دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا جس نے کبھی تنہائی میں بھی برہنہ ہونے کو پسند نہ کیا اس نے محض اپنی امت کو صفائی اور شائستگی کی تعلیم دینے کے لیے اپنی بیویوں کو کھلی اجازت دے دی کہ اس کی نجی زندگی کے مخفی سے مخفی واقعات تک کو لوگوں کے سامنے بیان کر دیں۔

چند مرویات کا جائزہ

متذکرہ بالا امور کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اگر چہ منکرین حدیث کے زیر بحث اعتراض میں کوئی وزن نہیں رہتا تاہم اتمام حجت کے طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث جو اس ضمن میں معترضین کا تختۂ مشق بنی ہیں ان میں سے چند احادیث کا نمونے کے طور پر تجزیہ کر کے یہ دکھا دیا جائے کہ اس قسم کی تمام احادیث دراصل ان مسائل پر مشتمل ہیں جو انسانی

Marfat.com

زندگی کے مخفی شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا انسان کے علم میں آنا اس کی اپنی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے از بس ضروری ہے۔

اس سلسلے کی جتنی احادیث منکرین حدیث کی جانب سے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں ان کو راویوں کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ احادیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے مروی ہیں دوسرے وہ احادیث جو ازواج مطہرات کے علاوہ دیگر صحابہ و صحابیات سے مروی ہیں ہم ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک قسم کی چار پانچ احادیث کا نمونے کے طور پر تجزیہ کریں گے صرف یہ دکھانے کے لیے کہ منکرین حدیث کی سوچ کس قدر منفی اثرات کی حامل ہے۔

اوّلاً ہم ازواج مطہرات کی مرویات کا جائزہ لیتے ہیں۔ چنانچہ درج ذیل چند احادیث ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عن عائشة أنّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم قبّل بعض نسائہ ثم خرج إلی الصلوٰۃ ولم یتوضّأ۔ (ترمذی الطہارۃ باب ترک الوضوء من القبلۃ)۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا پھر نماز کے لیے نکلے اور وضو نہیں کیا۔

(۲) حدثنی ابوبکر بن حفصٍ قال سمعت اباسلمۃ یقول دخلتُ انا واخو عائشۃ علی عائشۃ فسالھا اخوہ عن غسلِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعت باناءٍ نحو من صاعٍ فاغتسلت وافاضت علی راسھا وبیننا وبینھا حجابٌ۔ (بخاری۔ الغسل باب بالصاع ونحوہ)

ابوبکر بن حفص نے بیان کیا کہ میں نے ابوسلمہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں اور حضرت عائشہ کے بھائی حضرت عائشہ کے پاس آئے اور ان سے ان کے بھائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا حال پوچھا تو انہوں نے تقریباً ایک صاع پانی منگایا پھر انہوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا اس حال میں کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل تھا۔

Marfat.com

(۳) عن اَم سَلمَة قالت جاءت اُمّ سُلَيم الى النبى صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله ان الله عزّ وَجلّ لا يَستحى من الحقّ فهل على المراة من غسل اِذا احتلمت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم اِذا رأت الماءَ فقالت اُمّ سلمة يا رسول الله و تحتلم المرأةُ فقال تربَتْ يداكِ فبِمَ يُشبِهُها ولدُها۔

(البخاری کتاب الطہارۃ باب وجوب الغسل علی المرأۃ)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ام سلیمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالےٰ حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جبکہ وہ پانی (منی) دیکھے حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا تیرے ہاتھوں کو مٹی لگے احتلام نہیں ہوتا تو پھر بچہ عورت کے مشابہ کیونکر ہوتا ہے۔

(۴) عن عائشة قالتَ كنت اَغتَسِل اَنا والنبىّ صلى الله عليه وسلم من اِناءٍ واحدٍ كلانا جنب وكان يامرنى فاتزر فيباشرنى وانا حائض وكان يخرج راسه الىّ وهو معتكفٌ فاَغسِلهُ وانا حائض

(بخاری کتاب الحیض باب مباشرۃ الحائض)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہاتے تھے اور ہم دونوں جنبی ہوتے تھے اور آپؐ مجھے حیض کی حالت میں ازار باندھنے کا حکم دیتے تھے پھر مجھ سے اختلاط کرتے تھے اور آپؐ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر (مسجد سے باہر) میری طرف نکال دیتے تھے اور میں بحالت حیض اسے دھوتی تھی۔

Marfat.com

(۵) عن عائشة قالت كنتُ اشربُ وأنا حائضٌ ثمّ اناولهُ النبيّ صلى الله عليه وسلم فيضعُ فاهُ على موضعِ فيّ فيشربُ والعرق العرق وأنا حائضٌ ثمّ اناولهُ النبيّ صلى الله عليه وسلم فيضعُ فاهُ على موضعِ فيّ (مسلم كتاب الطهارة باب جواز غسل الحائض راس زوجها)۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں (برتن سے) پانی پیتی تھی اور پھر اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھا دیتی آپؐ اسی جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھ کر پیا تھا حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی اور اسی طرح میں حیض کی حالت میں ہڈی پر سے گوشت کھاتی تھی اور پھر اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی تھی اور آپؐ اس جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھا تھا۔

یہ پانچوں احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ بیان ہوا ہے جو یا تو انسانی زندگی کے مخفی شعبوں سے تعلق رکھتا ہے یا اس کا تعلق جسمانی طہارت و نفاست سے ہے۔ یہ مسائل معترضین کے لیے کوئی اہمیت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں مگر جن لوگوں کو اپنی زندگی احکام خداوندی کے مطابق گذارنی ہے ان کو تو بہرحال یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ زندگی کے ان مخفی گوشوں کو رضائے الٰہی کے مطابق کیسے درست رکھا جا سکتا ہے۔ انسانی زندگی کے بعض مخفی گوشوں کا ذکر سن کر منکرین حدیث کا ذہن ان مخصوص گوشوں کی کیفیت و ماہیت کی طرف تو چلا گیا اور اسی لیے ان کے الفاظ میں سے انہیں عریانی جھانکتی نظر آنے لگی مگر ان کا ذہن اس طرف متوجہ نہ ہو سکا کہ اگر یہ ذکر نہ ہوتا تو انسانی زندگی کے یہ مخفی گوشے اصلاح سے محروم رہ جاتے۔ ان کی زبان پر یہ اعتراض تو فوراً آ گیا کہ ایسی خالصتاً نجی نوعیت کی باتوں پر ازواج مطہرات کی یوں بے جھجکانہ گفتگو توقع کے خلاف ہے مگر ان کے دماغ میں اتنی بات نہ آ سکی کہ یہ گفتگو ماؤں اور بیٹوں کے درمیان ہے اور اس کا تعلق ایسے مسائل سے ہے جن کا علم بیٹوں کو اپنی ماؤں کے ذریعے کے علاوہ اور کسی ذریعے سے ہو ہی

Marfat.com

نہیں سکتا تھا۔

چلئے جانے دیجئے منکرین حدیث کو ان کے حال پر چھوڑیئے آیئے ہم فرداً فرداً ان پانچوں احادیث کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کیسے کیسے اہم مسائل کا حل بیان ہوا ہے۔

بوسہ ناقض وضو نہیں

پہلی حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل کی خبر دی ہے اور بتلایا ہے کہ آپؐ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کا بحالت وضو بوسہ لیا اور اس کے بعد بغیر وضو کیے نماز پڑھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی اطلاع دینے سے حضرت عائشہؓ کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ بوسہ بجائے خود وضو توڑنے والی چیز نہیں ہے۔ دراصل بعض لوگ محض بوسہ لے لینے کو ناقض وضو سمجھنے لگے تھے ان کا خیال تھا کہ اس سے اگر وضو ٹوٹتا نہیں ہے تو کم از کم طہارت میں فرق ضرور آجاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ ان کا شک دور کرنے کے لیے متذکرہ بالا عمل نبوی کی خبر دینا پڑی تاکہ ثابت ہو جائے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بوسہ لینے کے بعد بغیر وضو کیے نماز پڑھی اس لیے بوسہ ناقض وضو نہیں ہے۔

غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہے

دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ ہی سے متعلق ہے اس میں ذکر ہے کہ غسل کے متعلق استفسار پر حضرت عائشہ نے پانی منگوا کر اور پردہ لٹکا کر حضرت ابوسلمہ اور اپنے بھائی کی موجودگی میں غسل فرمایا۔ اس حدیث کے بارے میں سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسلمہؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے جنہیں حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے دودھ پلایا تھا اس لحاظ سے اس حدیث میں مذکور وہ دونوں شخص جنکے سامنے حضرت عائشہؓ نے پردہ لٹکا کر غسل فرمایا آپ کے محرم ہی تھے ان میں سے غیر محرم

Marfat.com

کوئی نہ تھا۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ منکرین حدیث حقیقت حال سے ناواقف لوگوں کے سامنے اس حدیث پر تبصرہ کچھ ایسے انداز سے کرتے ہیں جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو سلمہؓ کوئی غیر شخص تھے اس کے علاوہ پھر ایک زیادتی یہ کرتے ہیں کہ روایت میں تو صرف "حجاب" یعنی پردے کا ذکر ہے مگر ان لوگوں کے تبصرے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ گویا پردہ باریک تھا چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر پردہ باریک نہ ہوتا تو حضرت عائشہؓ نہاتی ہوئی نظر آسکتیں اور اس طرح غسل کے عمل کا جو مظاہرہ کرنا مقصود تھا وہ پورا نہ ہوتا حالانکہ اگر انہیں اس مسئلے کا علم ہوتا جو اس وقت درپیش تھا اور جس کی تحقیق کے لیے یہ دونوں اصحاب اپنی خالہ اور بہن کے پاس گئے تھے تو انہیں یہ سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ پردہ باریک ہونا چاہیئے تھا۔

دراصل صحابہ کے درمیان بحث یہ چھڑ گئی تھی کہ غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہو سکتا ہے۔ بعض صحابہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ روایت پہونچی تھی کہ آپ ایک صاع بھر پانی سے غسل کر لیتے تھے جبکہ اتنے پانی کو لوگ غسل کے لیے ناکافی سمجھتے تھے غلط فہمی کی بنیاد فی الحقیقت یہ تھی کہ وہ غسل جنابت اور غسل تعرض صفائی بدن کا فرق نہیں سمجھ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے مستفسرین کو مسئلے کی نوعیت سمجھانے کے لیے اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈالا جس سے صرف ان کا سر اور چہرہ ان دونوں حضرات کو نظر آتا تھا پھر ایک صاع بھر پانی منگوا کر اپنے اوپر بہایا۔ اس طریقے سے حضرت عائشہؓ مستفسرین کو دو باتیں سمجھانا چاہتی تھیں ایک یہ کہ غسل جنابت کے لیے صرف جسم پر پانی بہانا کافی ہے دوسرے یہ کہ اس مقصد کے لیے صاع بھر پانی کفایت کرتا ہے۔

عورتوں سے مخصوص ایک شرعی حکم

تیسری حدیث حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے یہ حدیث عورتوں کو ایک اہم شرعی حکم سے واقفیت مہیا کرتی ہے مسئلہ جس سے ایک غریب خاتون کو سابقہ پیش آگیا تھا یہ تھا کہ اگر ایک عورت اسی طرح کا خواب دیکھے جیسا عام طور پر بالغ مرد

Marfat.com

دیکھا کرتے ہیں تو وہ کیا کرے اسے پاک ہونے کے لیے مردوں کی طرح غسل کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ صورت عورتوں کو بہت کم پیش آتی ہے اس لیے عورتیں اس کے شرعی حکم سے ناواقف تھیں۔ چنانچہ وہ خاتون مسئلہ پوچھنے آئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بتا کر کہ عورت کو بھی مرد ہی کی طرح غسل کرنا چاہیئے نہ صرف ان کو بلکہ تمام عورتوں کو ایک ضروری تعلیم دے دی اب تبلیغ جائے کہ اس میں کونسی بات اخلاقی لحاظ سے معیوب تھی کیا ان غریب خاتون کا مسئلہ پوچھنا کوئی عیب کی بات تھی؟ کیا انہیں مسئلہ پوچھنے کے بجائے شرم کا لحاظ کرتے ہوئے جو کچھ ان کی اپنی سمجھ میں آتا وہی کر لینا چاہیئے تھا۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ معترضین کو اس میں کونسی بات غیر اخلاقی نظر آتی ہے۔

جنابت اور حیض کے بارے میں قدیم تعصبات کا ازالہ

چوتھی اور پانچویں احادیث میں جو مضمون مذکور ہے وہ عائشہؓ کی زبانی بیان ہوا ہے اس کی اہمیت حقیقت سمجھنے کے لیے اس پس منظر کا ذکر ضروری ہے جو ان احادیث کو روایت کرتے وقت حضرت عائشہؓ کے پیش نظر تھا۔ دراصل جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے ناپاک ہونے کا تصور جسے اسلام نے صلوٰۃ والتسلیم کی طرح قدیم شریعتوں میں بھی ناپاکی کا تصور یہودی احبار اور عیسائی راہبوں کی مبالغہ آمیزیوں نے اس قدر بڑھا دیا تھا کہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے بارے میں خیال کرنے لگے تھے۔ ان کے زیر اثر اہل یثرب مدینہ میں بھی یہ تصور پیدا ہو گیا تھا۔ صاحبہ نہ صرف عورت کے ساتھ تو رہنا سہنا بھی گناہ خیال کیا جاتا تھا یہاں تک کہ روایات میں آتا ہے کہ جب عورت کو حیض آتا تھا تو یہودی اس کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ رہنا سہنا چھوڑ دیتے تھے[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب الحیض الفصل الاول

Marfat.com

لائے تو آپؐ نے بتایا کہ اس حالت میں صرف فعل مباشرت نا جائز ہے اس کے علاوہ میل جول رہن سہن کھانا پینا غرض ہر قسم کی معاشرت حائضہ عورت کے ساتھ اسی طرح رہتی ہے جیسی اس کے پاک ہونے کی حالت میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگرچہ اس سلسلے میں بنیادی غلط فہمی رفع ہو گئی تھی تاہم قدیم تعصبات کے زیر اثر ایک مدت تک لوگ یہ سمجھتے رہے کہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کا وجود کچھ نہ کچھ تو گندا رہتا ہی ہے اس لیے اس حالت میں اس کا ہاتھ جس چیز کو لگ جائے وہ بھی کم از کم مکروہ تو ضرور ہو جاتی ہو گی۔

یہ تھا وہ پس منظر جس میں زیر بحث دونوں حدیث اور اسی قسم کی دوسری احادیث روایت ہوئی ہیں۔ متذکرہ بالا مبالغہ آمیز تصورات کو اعتدال پر لانے کے لیے ازواج مطہرات کو یہ بتانا پڑا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس حالت میں کوئی اجتناب نہیں فرماتے تھے آپؐ کے نزدیک حائضہ یا جنبی عورت کے ہاتھ لگانے سے جب پانی جیسی سیال اور تر چیز گندی نہیں ہوتی تھی تو کسی برتن یا کپڑے وغیرہ کے گندے ہو جانے کا تو سوال ہی کیا۔ بلکہ پانچویں حدیث میں تو یہ بتلایا گیا کہ حائضہ عورت کا ہاتھ تو ہاتھ ہے منہ بھی لگ جائے تو کوئی چیز گندی نہیں ہوتی۔ نیز اس قسم کی احادیث میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ حائضہ بیوی کے ساتھ اس کا شوہر صرف مباشرت کا مخصوص فعل نہیں کر سکتا باقی ہر قسم کا اختلاط جائز ہے۔ اب ذرا سوچیے اگر ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان افعال پر ہمیں مطلع نہ کیا ہوتا تو قدیم تعصبات کے زیر اثر ہمیں اپنی خانگی زندگی میں کیسی کیسی مشکلات سے سابقہ پیش آتا۔

ازواج مطہرات کی مرویات کے بعد اب ہم چند ایسی احادیث کا جائزہ لیتے ہیں جو دوسرے راویوں سے روایت ہوئی ہیں۔ مثلاً

(۱) قال سمعتُ جابرَ بنَ عبد اللّٰہ یقول کنّا نستمتِعُ	(راوی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کو کہتے سنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد میں ایک

Marfat.com

بالقبضة من التمر والدقيق الايام على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر حتى نهى عنه عمر

(مسلم کتاب النکاح باب نکاح المتعۃ)

(۲) قال اذن لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمتعة فانطلقت انا و رجل الى امراة من بني عامر كانها بكرة عيطاء فعرضنا عليها انفسنا فقالت ما تعطني فقلت ردائي وقال ردائي وكان ردائ صاحبي اجود من ردائي وكنت اشب منه فاذا نظرت الى ردائ صاحبي اعجبها واذا نظرت الي اعجبتها ثم قالت انت ورداؤك يكفيني فمكثت معها ثلاثا ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان عنده شئ من هذه النساء التي يتمتع فليخل سبيلها۔

(مسلم کتاب النکاح باب نکاح المتعۃ)

مٹھی چھوہارے دیں یا ایک مٹھی آٹے کے عوض چند روز کے لیے متعہ کر لیا کرتے تھے یہاں تک حضرت عمر نے ہمیں منع کیا۔

(حضرت سبرۃ الجہنی) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دی تو میں اور ایک اور شخص بنی عامر کی ایک عورت کے پاس گئے عورت نوجوان اور دراز گردن تھی سو ہم نے اپنے آپکو اس پر پیش کیا وہ بولی کیا دو گے میں نے کہ میری چادر حاضر ہے میرا ساتھی بولا اسکی بھی چادر حاضر ہے اور میرے ساتھی کی چادر میری چادر سے اچھی تھی مگر میں اس سے جوان زیادہ تھا عورت جب میرے ساتھی کی چادر دیکھتی تو وہ اسے پسند آتی اور جب مجھے دیکھتی تو میں اسے پسند آتا پھر وہ بولی کہ تو اور تیری چادر مجھے کافی ہے پھر میں اسکے پاس تین دن رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اگر کسی کے پاس یہ میعادی نکاح والی عورتیں ہوں تو وہ انہیں آزاد کر دے۔

Marfat.com

(۳) اَخبرَنی عطاءٌ قال سمعتُ جابرَ بنَ عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما فی ناسٍ معِیَ قال اھلَلنَا اصحابُ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالحجّ خالصًا وحدہٗ قال عطاءٌ قال جابرٌ فقدم النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صُبحَ رابعۃٍ مضَتْ من ذی الحجۃ فامرنا اَن نحِلّ قال عطاءٌ قال اَحلّوا واصیبوا النساءَ قال عطاءٌ ولم یعزم علیھم ولکن اَحلّھن لھم فقلنا لمّا لم یکن بیننا وبین عرفۃ اِلّا خمسٌ اُمرنا اَن نُفضِی اِلیٰ نساءِنا فنَاتی عرفۃ تقطُرُ مذاکیرنا المنی.. الحدیث)

(مسلم کتاب الحج باب بیان وجوہِ الاحرام)

عطاء روایت کرتے ہیں کہ میں نے چند اشخاص کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ سے سُنا فرمایا ہم سب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حج کا احرام باندھا عطا بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی ذی الحجہ کی صبح کو آئے اور ہمیں حکم دیا کہ احرام کھول ڈالیں عطا کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا احرام کھول ڈالو اور (اپنی) بیویوں کے پاس جاؤ عطا بیان کرتے ہیں کہ یہ حکم ان پر وجوب کے طور پر نہ تھا بلکہ جواز کی حدود میں تھا پس ہم کہہ رہے تھے کہ صرف پانچ دن تو عرفات پہونچنے میں رہ گئے ہیں اور آپؐ نے ہمیں اپنی بیویوں کے پاس جانے کے لیے کہہ دیا (گویا) ہم عرفات اس طرح پہونچیں کہ ہمارے اعضائے رئیسہ سے تقاطر منی ہو رہا ہو.....

الی آخر الحدیث۔

حقیقتِ حال کی وضاحت کے لیے یہ تین احادیث ہی کافی ہیں۔ پہلی دو حدیثیں متعہ کے ذکر پہ مشتمل ہیں جبکہ تیسری حدیث حج کے بعض احکام سے متعلق ہے۔ جو کوئی بھی تعصب سے بالاتر ہو کر ان احادیث کے مضامین میں غور کرے گا اس کا ذہن "نستمتع یا "یتمتع" یا "اصیبوا النساء" جیسے الفاظ سے جماع کے مخصوص عمل کی کیفیت کی طرف منتقل ہونے کے بجائے ان مسائل کے جواز و عدم جواز پہ غور کرنے میں مصروف ہو جائے گا جو ان الفاظ کے ذکر کا اصل مقصد ہیں مگر کیا کیا جائے منکرینِ حدیث کی عقلِ سقیم کا کہ وہ اس قسم کی احادیث میں اصل مقصود تلاش کرنے کی صلاحیت ہی سے محروم ہے۔

متعہ کے مختلف پہلو

پہلی دو حدیثوں پر اعتراض کرنے سے پہلے اگر منکرین حدیث یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ متعہ کی حقیقت کیا ہے اور اس کے بارے میں صحابہ کے سامنے کونسی بات تحقیق طلب تھی جس کی وضاحت کے لیے صحابہ کو یہ روایات نقل کرنا پڑیں تو شاید ان کا ذہن عریانیت کی طرف منتقل نہ ہوتا اور وہ حقیقتِ حال کو پا لیتے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں نکاح کے جو طریقے رائج تھے۔ ان میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کسی عورت کو کچھ معاوضہ دے کر ایک خاص مدت کے لیے اس سے نکاح کر لیا جاتا تھا ایسے نکاح کو "نکاح متعہ" کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کی نہی کا حکم نہیں مل جاتا تھا اس چیز کے بارے میں پہلے سے رائج شدہ طریقے کو آپ منسوخ نہ فرماتے تھے بلکہ یا تو اس پر سکوت فرماتے یا بوقتِ ضرورت اس کی اجازت بھی دے دیتے تھے چنانچہ اپنی اسی عادت کے مطابق متعہ کے بارے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً اس کے رواج پر سکوت فرمایا مگر بعد میں کسی جنگ یا سفر کے دوران پھر اگر لوگوں نے شدت سے اس کی ضرورت ظاہر کی تو اس کی اجازت بھی دے دی کیونکہ اس وقت تک اس کی نہی کا حکم نازل نہ ہوا تھا جب کہ نہی نازل ہو گئی تو اس نے اس کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا لیکن متعہ کی ممانعت کا یہ حکم اتنے لوگوں تک نہ پہنچ سکا جس کی بنا پر بعد میں بھی کچھ لوگ نادانستگی کی بنا پر متعہ کرتے رہے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اس حکم کی عام اشاعت کی اور پوری قوت کے ساتھ اس رواج کو بند کیا جب تک یہ رواج پوری طرح بند نہ ہو گیا صحابہ کے سامنے متعدد سوالات تحقیق طلب رہے مثلاً یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی متعہ کی اجازت صراحتاً بھی دی تھی یا محض سکوت کے طریقے پر ہی آپ عمل پیرا رہے؟ اور اگر اجازت دی تھی تو کس کس موقعے پر؟ نیز یہ کہ آپ نے اسے بعد میں ممنوع قرار دیا تھا یا نہیں؟ اگر دیا ہے تو اس کی عام ممانعت آپ نے کب فرمائی؟ اور کن الفاظ میں اس کام سے روکا؟

Marfat.com

بیر اور اسی طرح کے متعدد سوالات تھے جن کی تحقیق مقصود تھی چنانچہ صحابہ میں سے جس جس کے پاس اس مسئلے سے متعلق کوئی علم تھا اس نے دوسروں کے سامنے بیان کیا یہی وجہ ہے کہ یہ محولہ بالا دو حدیثیں ہی نہیں اور بھی متعدد احادیث اسی قسم کے مضامین کی حامل مختلف کتبِ حدیث میں آپ کو ملیں گی جن سے اس متعہ کے مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اب انہی زیرِ بحث دونوں حدیثوں کو لے لیجئے پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد تک متعہ کے جواز کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں لوگوں کے ذہنوں میں موجود تھیں تا آنکہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا اور متعہ کے عدم جواز سے متعلق حکم نبوی کو عام رواج دیا۔ اسی طرح دوسری حدیث سے متعہ کے ایک اور پہلو پر روشنی پڑتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بعض مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی صریح اجازت بھی دی تھی تاہم بعد میں اس کی قطعی ممانعت بھی فرما دی تھی۔ یہی حال اس قسم کے مضامین پر مشتمل دیگر تمام احادیث کا ہے کہ ان سے اس مسئلے سے متعلق کسی نہ کسی پہلو کی وضاحت ہوتی ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر صحابہ یہ احادیث روایت نہ کرتے تو متعہ کے بارے میں متذکرہ بالا تحقیق طلب مسائل کیسے حل ہوتے نیز بعد میں آنے والے فقہا اور اسلامی قانون کی تدوین کرنے والے آخر کس بنیاد پر متعہ کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کرتے۔

حج و عمرہ سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

تیسری حدیث حضرت جابرؓ کی روایت کردہ ان متعدد احادیث میں سے ایک ہے جن میں انہوں نے احرام سے تعلق رکھنے والے چند قواعد کا تذکرہ کیا ہے۔ اس حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کا پس منظر دراصل یہ تھا کہ گذشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر بعض لوگوں کے دلوں میں یہ غلط خیال بیٹھا ہوا تھا کہ ایامِ حج میں عمرہ نہیں ادا کیا جا سکتا اس غلط خیال کو دور کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعے پر ۴ ذی الحجہ کو طواف و سعی سے فارغ ہو کر لوگوں کو حکم دیا کہ جو لوگ اپنے

ساتھ قربانی کا جانور نہیں لائے وہ احرام کھول دیں چونکہ آپؐ ایام جاہلیت کے اثرات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے اس لیے ساتھ ہی آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ احرام کھول کر تم اپنی بیویوں کے پاس جاؤ اس سے مقصود صرف اتنا تھا کہ احرام کی تمام پابندیوں کا رفع ہو جانا متحقق ہو جائے اور لوگوں کے ذہن میں کوئی شک باقی نہ رہے مگر اس کے باوجود بھی بعض لوگ احرام کھولتے ہوئے جھجکے اور آپس میں تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کیا ہم اس حالت میں عرفہ کی طرف روانہ ہوں گے کہ ہم پر احرام کی کوئی پابندی نہ ہو حتیٰ کہ ہمیں اپنی بیویوں سے متمتع ہونے کی بھی کھلی چھٹی ہو اسی استعجاب کو انہوں نے تقطر مذاکیرنا المنی کے الفاظ سے تعبیر کیا بعض لوگوں کے اسی تذبذب پر نبی کریم صلی علیہ وسلم نے وہ فقرہ ارشاد فرمایا تھا جو اسی روایت میں آگے چل کر آتا ہے کہ میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی تمہارے ساتھ ہی احرام کھول دیتا۔

یہ واقعہ بعد میں حضرت جابرؓ کو اس لیے سنانا پڑا کہ بعد میں بھی بعض لوگوں کو یہ شک باقی رہ گیا تھا کہ جو شخص احرام باندھ کر حج سے پہلے مکہ پہونچا ہو وہ آیا طواف وسعی کرنے کے بعد حلال ہو سکتا ہے یا نہیں اور آیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ حج کا زمانہ آنے پر حرم ہی سے احرام کا آغاز کرے اس شک کو دور کرنے کے لیے حضرت جابر نے یہ حدیث سنائی تھی۔

اب تک کی گفتگو سے قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ تمام احادیث جن کو ہم نے ابھی تفصیل سے جائزہ لیا ہے وہ سب کی سب انسانی زندگی کے بعض انتہائی اہم مسائل سے متعلق ضروری علم مہیا کرتی ہیں اگر کوئی اس علم سے آنکھیں بند کر کے ان احادیث کو صرف اپنے اعتراضات کا تختۂ مشق بناتا ہے تو اپنی عقل کے سقیم و بیمار ہونے کا خود ثبوت مہیا کرتا ہے احادیث کے مرتبہ و مقام میں کوئی فرق نہیں آتا یہ چند احادیث ہم نے نمونے کے طور پر پیش کر دی ہیں انہی پر ان تمام احادیث کو قیاس کر لیا جائے جو ان احادیث کے علاوہ منکرین حدیث کی جانب سے اس ضمن میں پیش کی

Marfat.com

جاتی ہیں۔

۴۔ خلاف علم و تجربہ روایات

اب اس کے بعد ہم منکرین حدیث کے چوتھے اعتراض کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ صحیح احادیث کے ذخیرے میں بعض روایات ایسے دعاوی پر مشتمل ہیں جو تجربے کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اور ظاہر ہے نبی کے دعاوی کبھی غلط نہیں ہوتے بنا بریں یہی سمجھا جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان تمام دعاوی کی نسبت غلط ہے۔

اس اعتراض کے پیچھے بھی منکرین حدیث کی وہی منفی سوچ کام کر رہی ہے جب تک وہ اس حقیقت کو اصولی طور پر تسلیم نہیں کر لیتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فرستادہ ہونے کی بنا پر ان غیبی اسرار سے آگاہ تھے جن سے کوئی دوسرا البشر آگاہ نہیں ہے اور جب تک وہ یہ نہیں مان لیتے کہ ملاء اعلیٰ سے ہمہ وقت رابطہ حاصل ہونے کی بنا پر آپؐ کا ہر ہر قول اور ہر ہر فعل نور و حکمت اور علم و معرفت سے معمور ہوتا تھا اس وقت تک ان کو قدم قدم پر اسی طرح ٹھوکریں لگتی رہیں گی۔

اوّل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث ایسی ہے ہی نہیں جو علم و تجربے کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو تاہم بالفرض اگر کوئی ایسی حدیث ہو بھی جو اب تک کے معروف علم اور آج تک کے معلوم تجربے کے خلاف ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی بات کی خبر دی ہو جو موجودہ زمانے میں رائج علوم و معارف سے تو ہم آہنگ نہ ہو لیکن آئندہ زمانوں میں انسانی دسترس کی حدود میں آنے والے علم و آگہی کے ذرائع اس کی تصدیق کرتے ہوں۔ عقلاً یہ عین ممکن ہے کہ آپؐ نے فلسفہ، حیات انسانی سے متعلق کوئی ایسی بات ارشاد فرمائی ہو جو آج کے دور میں لوگوں کی سمجھ سے باہر ہو مگر وہی فلسفیانہ ارشاد اس دور کے عین مطابق ہو جب فلسفہ اپنے نقطۂ کمال پر پہونچ جائے گا۔ غرض اگر کسی زمانے میں لوگوں پر کسی ارشاد رسول کی حکمت و مصلحت واضح نہ ہو سکے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ وہ حدیث ہی موضوع ہے۔

Marfat.com

سو سال بعد دُنیا کا خاتمہ

بہر حال منکرین حدیث اگر اپنی سوچ کا رُخ درست کر لیں تو خود اس بات کا اقرار کرتے نظر آئیں گے کہ کوئی ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں جو انسانی علم و تجربے کے خلاف ہو۔ ان کی جانب سے جتنی بھی روایات اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں اگر ذرا بھی بہ نظر غور ان کا جائزہ لیا جائے تو کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں رہتی جس پر خلاف علم و تجربہ ہونے کا اعتراض صادق آسکے۔ مثال کے طور پر ان کی طرف سے پیش کی جانے والی اسی روایت کو لے لیجئے جس میں ذکر ہے کہ سو سال کے بعد زمین پر کوئی جاندار زندہ نہیں رہے گا۔ یہ روایت دراصل اس حدیث کا ایک جزو ہے جس کو امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کتاب العلم میں نقل کیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

قال صلّیٰ بنا النّبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم العِشاءَ فی آخرِ حیاتِہٖ فلمّا سلّم قام فقال اَرَاَیتکم لیلتکم ھٰذا فاِنّ رَاسَ مائۃِ سنۃٍ منھا لا یبقیٰ مِمّنْ ھو علیٰ ظھرِ الارضِ اَحدٌ۔

(بخاری۔ العلم باب السمر فی العلم)

(حضرت عبداللہ بن عمر نے) بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخیر عمر میں ہم کو عشا کی نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم نے اس رات کو دیکھا (اسے یاد رکھنا) اب سو برس کے بعد جتنے لوگ اس وقت زمین پر ہیں ان میں سے کوئی (زندہ) نہیں رہے گا۔

منکرین حدیث نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ دُنیا سو سال کے بعد ختم ہو جائے گی اور پھر اسی بنیاد پر اسے موضوع ٹھہرایا ہے کہ یہ تاریخی حقائق اور حس و مشاہدے کے خلاف ہے۔

اس حدیث پر تبصرہ کرنے سے پہلے ہمیں منکرین حدیث سے یہ پوچھنا ہے کہ امام بخاری نے اس روایت کو کتاب الصلوٰۃ میں بھی لیا ہے کیا وجہ ہے اس کو اختیار کرتے کے بجائے منکرین حدیث کی نظر انتخاب اسی کتاب العلم والی روایت پر کیوں پڑی کیا یہ حقیقت نہیں کہ کتاب الصلوٰۃ والی روایت انہوں نے صرف اس لیے نہیں لی کہ اس میں

Marfat.com

ان کے اعتراض کا جواب موجود تھا۔ اُس روایت میں چونکہ "الیوم" کا لفظ اس ارشاد نبوی کا صحیح مفہوم متعین کر دیتا تھا جس کے بعد متذکرہ بالا اعتراض کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی اس لیے منکرین حدیث کا فائدہ اسی میں تھا کہ اس روایت سے صرف نظر کر لیا جائے۔

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت جبکہ میں یہ الفاظ کہہ رہا ہوں دُنیا میں جتنے لوگ ہیں سو سال کے اندر اندر سب مر جائیں گے یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سو سال کے بعد دُنیا ہی ختم ہو جائے گی۔ اگرچہ کتاب العلم والی روایت میں بھی "لیلتکم ھذا" کے الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں تاہم کتاب الصلوٰۃ والی روایت تو اس مفہوم کی تعیین میں بالکل ہی صریح ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

فقال أرأيتم ليلتكم هذه فإن رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الأرض أحد

(بخاری۔ الصلوٰۃ باب ذکر العشاء والعتمۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اس رات کو دیکھا اب سے سو برس کے بعد جتنے لوگ آج پشت زمین پر ہیں ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔

اس ارشاد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس بات پر متنبہ کرنا تھا کہ تمہاری عمریں پہلی امتوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں لہٰذا عبادت کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیئے۔ نیز اس کے ساتھ ہی ان الفاظ میں معجزانہ طور پر ایک پیش گوئی بھی موجود تھی کہ پوری ایک صدی گذرنے پر موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا چنانچہ یہ پیش گوئی پوری بھی ہوئی صحابہ میں سے جس کی موت سب کے بعد واقع ہوئی وہ حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی تھے جنہوں نے ۱۱۰ھ ہجری میں وفات پائی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ۱۰ھ ہجری کا واقعہ ہے اس طرح اس ارشاد کے دن سے لیکر آخری صحابی حضرت ابوطفیل کی وفات تک پورے سو سال بنتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ یہ کیسے پتہ لگا کہ آپؐ نے یہ سنہ ۱۰ ہجری میں ارشاد فرمایا تھا تو اوّل تو کتاب العلم والی روایت میں فی اخر حیاتہ کے الفاظ خود اس پر دال ہیں دوسرے وہ حدیث جو امام مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک مہینہ پہلے کا واقعہ ہے اور یہ معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ماہ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری میں ہوا ہے۔

منکرین حدیث کی علمی دیانت ملاحظہ ہو انہوں نے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وضاحت کو بھی درخور اعتنا نہ سمجھا۔ دراصل خود صحابہ کے زمانے میں بھی بعض لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا صحیح مطلب سمجھنے میں دھوکہ لگ گیا تھا ان کے ذہن میں صرف صدی کا مفہوم باقی رہ گیا انہوں نے آپؐ کے الفاظ "آج جو زمین کی پشت پر زندہ ہے" کی طرف توجہ نہ دی اور اس غلط فہمی میں پڑ گئے کہ ساری دنیا ہی سو سال اور ختم ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک موقعہ پر ایسے لوگوں کو سمجھایا اور متذکرہ الفاظ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپؐ کے اس ارشاد کا اصل مقصود واضح کیا۔ حضرت ابن عمرؓ کی یہ وضاحت امام مسلم نے کتاب فضائل الصحابہ میں نقل کی ہے۔ اس وضاحت کے الفاظ ہیں:

فوهل الناس فی مقالة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تلکم فیما یتحدثون من هذه الاحادیث عن مائة سنة وانما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض احد یرید بذلک ان ینخرم ذلک القرن (مسلم کتاب فضائل الصحابہ بیان معنی قولہ علی رأس مائة)۔

لوگوں کو سو سال والی احادیث کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کہا تھا کہ جو انسان زمین کی پشت پر آج کے دن موجود ہیں ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا اور مراد یہ تھی کہ اس صدی کے آخر تک (یہ موجودہ نسل) ختم ہو جائے گی۔

لہ مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب بیان معنی قولہ علی رأس مائة

Marfat.com

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس وضاحت سے آنکھیں بند کر لینا اور یہ رٹے جانا کہ زیر بحث حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہے منکرین حدیث کی علمی بددیانتی تو ہے ہی خوفِ خدا سے ان لوگوں کے عاری ہونے کی دلیل بھی ہے۔

غرض کتنی عجیب بات ہے جو حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم معجزے پر مشتمل تھی منکرین حدیث کا تختۂ مشق بن کر موضوع اور تاریخی حقائق کے خلاف قرار پائی۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

عجوہ کھجور کی تاثیر

اسی طرح ایک اور حدیث جو منکرین حدیث کا تختۂ مشق بنی ہے وہ ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الطب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کو بھی دیکھ لیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من اصطبح کلّ یوم تمراتٍ عجوۃً لم یضرّہٗ سمٌّ ولا سحرٌ ذلك الیوم إلی اللیل وقال غیرہٗ سبع تمراتٍ۔ (بخاری۔ الطب باب الدواء بالعجوۃ)	جس نے ہر روز علی الصبح عجوہ نامی کھجوریں کھائیں اس پر اس رات تک زہر اور جادو اثر انداز نہ ہوگا ایک دوسری روایت میں سات کھجوروں (کے الفاظ) ہیں۔

منکرین حدیث کو عجوہ نامی کھجور کی اس تاثیر سے انکار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ طب جدید نے اس مخصوص کھجور میں کوئی ایسی تاثیر یا خاصیت نہیں پائی جو زہر یا جادو کے علاج میں مفید ہوتی ہو اس لیے معلوم ہوتا ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

عجوہ نامی کھجور کے بارے میں طبِ جدید کیا رائے رکھتا ہے کیا نہیں اس سے تو ہم بعد میں بحث کریں گے پہلے ہمیں یہ بتایا جائے کہ کیا طبِ جدید نے دنیا کے تمام ماکولات مشروبات نباتات اور میوہ جات کی خاصیات کا احاطہ کر لیا ہے یا دوسری صورت میں طبِ جدید نے کہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے عجوہ کی تمام تاثیرات اور تمام خاصیات معلوم کر لی ہیں اگر ایسا کوئی دعویٰ طب کی دنیا میں موجود نہیں تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ عجوہ میں فلاں تاثیر

Marfat.com

سرے سے موجود ہی نہیں ہے اگر عجوہ میں ابھی تک جادو اور زہر کے لیے مفید خواص کا سراغ نہیں لگایا جا سکا تو کیا یہ ممکن نہیں کہ مستقبل میں جب اس کھجور پر باقاعدہ طبی تحقیق کی جائے تو بہت سے ایسے نئے خواص کا پتہ چلے جو مفید زہر یا مفید سحر ہوں ۔ علاوہ ازیں تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجئے کہ طبِ جدید نے عجوہ نامی کھجور پر پوری طبی تحقیق کے بعد یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ اس میں متذکرہ تاثیرات میں سے کوئی تاثیر موجود نہیں ہے تو اس کے بعد بھی یہ امکان پھر بھی باقی رہے گا کہ آئندہ طب کا علم مزید ترقی کرے اور تحلیل و تجزیہ کا کوئی ایسا نیا طریقہ دریافت ہو جائے جس کی مدد سے عجوہ کی کچھ مزید تاثیرات و خاصیات کا انکشاف ہو کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ طب کا علم اپنی آخری حد کو پہونچ گیا ہے اور اب اس پر مزید کسی اضافے کا کوئی امکان نہیں ۔

یہ تو تھی ایک اصولی بات رہا عجوہ کے بارے میں طبِ جدید کی رائے کا معاملہ تو یہ کہنا سرے سے ہے ہی غلط کہ طبِ جدید نے اس مخصوص کھجور میں کوئی ایسی تاثیر یا خاصیت نہیں پائی جو زہر یا جادو کے علاج میں مفید ہوتی ہو اس لیے کہ طبِ جدید میں یہ امر ایک مسلمہ شاہ حقیقت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ عجوہ غذا بخش اور بلغم مسہل ہوتی ہے یہ کھجور جسم میں حرارت کے ساتھ ساتھ فرحت اور نشاط پیدا کرتی ہے نیز اگر کوا اگر نہار منہ کھانا معمول بنا لیا جائے تو جس مادے سے معدہ میں کیڑے بنتے ہیں وہ کمزور پڑ جاتا ہے اور کیڑے مر جاتے ہیں اور اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ اندرونی امراض کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ انتڑیوں میں بدبو اور کیڑوں کا پیدا ہو جانا ہی ہے جب یہ معاملہ بڑھ جاتا ہے تو جسم میں زہر پیدا ہو جاتا ہے جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوتا ہے بنا بریں حدیث میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ عجوہ زہر یلے اثرات کو ختم کر دیتی ہے معلوم ہوا کہ بالکل درست ہے ۔

اسی طرح عجوہ سے جادو کے اثرات کا زائل ہو جانا بھی کوئی ایسی بات نہیں جو بعید از عقل و قیاس ہو ۔ اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ جادو ایک نفسیاتی مرض ہے طبِ جدید نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ تخیلات و توہمات بعض امراض میں بڑا اہم پارٹ

Marfat.com

ادا کرتے ہیں تو نفسیاتی مرض ہونے کی بنا پر ظاہر ہے جادُو کا علاج بھی نفسیاتی ہی ہونا چاہیئے۔
اب ذرا تجزیہ کیجیے جب ایک سحر زدہ شخص عجوہ کے ان پہلوؤں پر غور کرے گا کہ یہ جسم انسانی کو حرارت بخشتی ہے فرحت و نشاط بہم پہونچاتی ہے بدن کو تقویت دیتی ہے کیڑوں کو مارتی اور فضلات کے تعفّن کو دُور کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب وہ اس حقیقت پر غور کرے گا کہ عجوہ کھجور کو اللہ کے رسول نے جس کی بات ہمیشہ قطعی اور حتمی ہوتی ہے جادُو کے مرض کے لیے مفید بتایا ہے تو نفسیاتی طور پر اس کے اندر قوتِ مدافعت بڑھیگی جو جادُو کے اثر اسے میں مؤثر ہو گی ۔

کھُمب کی خاصیّت

طب ہی کی بنیاد پر منکرین حدیث نے اس حدیث کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جس میں ذکر ہے کہ کھُمب (جس کو سانپ کی چھتری بھی کہا جاتا ہے اور جو برسات کے زمانے میں عموماً کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر اپنے خود اُگ آتی ہے) کا پانی آنکھ کے لیے باعثِ شفا ہے۔ اس حدیث کا متن یہ ہے:

الکمأۃ من المنّ وماءُھا شفاء للعین۔
کھُمب (یا سانپ کی چھتری) ترنجبین (کی قسم) سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے باعثِ شفا ہے۔

(بخاری کتاب الطب باب المنّ شفاء للعین)۔

اس حدیث پر بھی منکرین حدیث کو یہی اعتراض ہے کہ یہ طبی تحقیق کے خلاف ہے اس لیے صحیح نہیں ہے۔

اس حدیث کے بارے میں بھی اوّل تو اُصولی بات وہی ہے کہ آج اگر انسان کی تحقیق میں کھمب کی یہ تاثیر نہیں آئی جو محولہ بالا حدیث میں بیان ہوئی ہے تو اس کا امکان ختم تو نہیں ہوا کہ کل انسانی تحقیق میں اس تاثیر کا وجود ثابت ہو جائے دوسرے ہمیں حیرت اس بات پر ہے کہ منکرین حدیث ایک طرف تو اخبار آحاد کے پورے کے پورے ذخیرے کو صرف اس بنیاد پر بے کار اور ناقابل اعتماد ٹھہراتے ہیں کہ ان سے علم ظنّی حاصل ہوتا ہے جو کہ فی الحقیقت یقین ہی کی ایک قسم ہے دُوسری طرف محض اندازوں اور تخمینوں پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ان کو احادیث نبوی کے صحیح و غیر صحیح ہونے کا معیار

قرار دیتے ہیں. کسی چیز کی کوئی خاصیت جو اطبا بیان کرتے ہیں وہ سب ان کے اندازے اور تخمینے ہی تو ہوتے ہیں۔ ان اندازوں اور تخمینوں کی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جو وحی و برہان پر مبنی ہونے کی وجہ سے یقیناً قطعی اور حتمی ہیں مشکوک اور غلط قرار دینا کہاں کی دانش مندی ہے۔ آج اگر ایک حدیث اس لیے قابلِ قبول نہیں کہ وہ طب کی تحقیق کے خلاف ہے تو کل اگر طب کی تحقیق اس کے حق میں ہو گئی تو یقیناً وہ قابلِ قبول بن جائے گی اس کا مطلب یہ ہُوا کہ طبیب کی بات تو قابلِ قبول ہے جو ایک عام انسان سے زیادہ کچھ نہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات قابل قبول نہیں جو معترضین کے نزدیک بھی اللہ کے رسول ہیں ایں چہ بوالعجبی است

علاوہ ازیں یہ کہنا ہی غلط ہے کہ کھمب میں وہ تاثیر نہیں پائی جاتی جو حدیث میں بیان ہوئی ہے اس لیے کہ ابو سہل مسیحی اور بوعلی سینا جیسے مسلّم و مشہور اطبا کی تحقیق تو یہ ہے کہ کھمب کا پانی بصارت کو تیز کرتا ہے نیز اگر اس کو سُرمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے ظلمت بصر دُور ہوتی ہے اور دُکھتی آنکھ ٹھیک ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اِن دونوں اطبا کی اس تحقیق کو زیرِ بحث حدیث کی صداقت پر گفتگو کرتے ہوئے دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔[1] اُنہوں نے مشہور طبیب غافقی کا بھی حوالہ دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس طبیب کی مفردات میں لکھا ہے کہ اگر کھمب کے پانی کو مشہور دوا اثمد کے پانی میں گوندھ کر سُرمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے آنکھ کی پلکوں کو تقویت پہنچتی ہے اور قوت بصارت میں اضافہ ہوتا ہے۔

کیا یہ تمام مشاہیر اطبا منکرین حدیث کے نزدیک ناقابلِ اعتماد ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو براہِ کرم ہمیں بتایا جائے وہ کونسے اطبا ہیں جن کو منکرین حدیث کے ہاں اعتماد کا درجہ حاصل ہے پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا جائے کہ کیا ان کے معتمد اطبا نے روئے زمین پر پیدا ہونے والی ہر کھمب کا تجزیہ کر لیا ہے اور

---

[1] زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۱۸۱

Marfat.com

اس کی سب سرحدوں پر تحقیق مکمل کرلی ہے خصوصاً اسی طرز و انداز کی کمپ پر جو عہد رسالت میں سرزمین حجاز میں پائی جاتی تھی کیا انہوں نے کوئی تجربہ کیا؟ اور سب سے بڑھ کر اور بنیادی بات یہ کہ کیا ان اطباء کی رائے میں طب اپنے نقطۂ کمال کو پہونچ گیا ہے کہ اب جو چیز بھی اس کی تحقیق میں نہیں آئی یا اس کے خلاف ثابت ہوئی وہ مردود قرار دے دی جائے۔

بات کچھ بھی نہیں منکرین حدیث کے پیش نظر صرف اعتراض کرنا ہے اسی مقصد کو ذہن میں رکھ کر وہ کتب حدیث کو کنگھالنا شروع کرتے ہیں اور جہاں جہاں کوئی بات انہیں اپنے مطلب کی نظر آتی ہے بلا تحقیق و تنقیح اور بغیر کچھ سوچے سمجھے اس کی بنیاد پر احادیث نبوی پر اعتراضات وارد کرتے چلے جاتے ہیں خواہ بعد ان میں سے کوئی بھی اعتراض ثابت نہ ہوسکے وقتی طور پر ناواقف حال لوگوں کو دھوکہ دینے میں تو وہ کچھ نہ کچھ کامیاب ہو ہی جاتے ہیں اور یہی ان کا مطمح نظر ہے۔

۵۔ باہم متعارض روایات

اب آئیے منکرین حدیث کے اس اعتراض کی طرف جو اوپر ہم نے پانچویں نمبر پر درج کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اکثر صحیح احادیث باہم متعارض ہیں اور یہ قاعدۂ مسلّمہ ہے کہ متعارض اشیاء ساقط الاعتبار ہوتی ہیں لہٰذا احادیث بھی باہم متعارض ہونے کی بنا پر ساقط الاعتبار قرار پائیں۔

یہ اعتراض بھی دراصل معترضین کی کم علمی کا غمّاز ہے۔ منکرین حدیث کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ کتب حدیث کا تقابلی مطالعہ انہیں حاصل نہیں وہ احادیث کے بارے میں جو فیصلہ کرتے ہیں اپنے محدود مطالعے کی بنیاد پر کرتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ یہ کبھی نہ کہتے کہ اکثر احادیث باہم متعارض ہیں۔ جن لوگوں کی احادیث کے پورے ذخیرے پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ احادیث کے درمیان اتفاق بہت زیادہ اور اختلاف بہت کم ہے مثلاً احادیث صفات و فضائل میں کوئی تعارض نہیں احادیث اخلاق و تقاضا میں بھی کہیں تعارض نظر نہیں آتا اسی طرح احادیث معجزات نوادر سے

Marfat.com

پاک ہیں نیز احوال جنت و جہنم کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں بھی ننانوے فی صد احادیث ایسی ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ لے دے کے وہ احادیث رہ جاتی ہیں جو یا تو بعض واقعات پر مشتمل ہیں اور یا پھر ان کا تعلق احکام سے ہے۔

جہاں تک احادیثِ واقعات کا تعلق ہے تو ان میں اگرچہ ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسی حدیثوں کی ضرور ملتی ہے جو باہم متعارض تو نہیں البتہ باہم مختلف دکھائی دیتی ہیں لیکن ان کا باہمی تعارض و اختلاف بھی صرف ظاہر نظر میں ہی محسوس ہوتا ہے غور و فکر کے بعد اور احادیث نبوی کے تقابلی مطالعے کے بعد اکثر و بیشتر وہ رفع ہو جاتا ہے دراصل ہوتا یہ ہے کہ یا تو مختلف راویوں نے ایک ہی بات یا واقعے کو مختلف الفاظ میں بیان کیا ہوتا ہے جو بظاہر باہم متعارض و مختلف نظر آنے لگتا ہے حالانکہ معانی کے لحاظ سے ان کے درمیان کوئی تعارض و اختلاف نہیں ہوتا یا پھر مختلف راویوں نے ایک ہی واقعے یا تقریر کے مختلف اجزا بیان کیے ہوتے ہیں ناواقف سمجھتا ہے ان کے بیانوں میں اختلاف ہے جبکہ احادیث کے ذخیرے سے واقف اس واقعے کے تمام اجزا کو یکجا کر کے ان کے باہمی تطابق کو پا لیتا ہے۔

یہی حال احادیثِ احکام کا ہے جو احادیث باہم متعارض نظر آتی ہیں وہ اس قدر کم ہیں کہ غیر متعارض احادیث کی نسبت وہ شاید ایک فی صد بھی نہیں۔ ان میں سے بھی اکثر کا حال یہ ہے کہ ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے اور تحقیق و جستجو کی جائے تو تعارض رفع ہو جاتا ہے ان احادیث کے ساتھ بھی صورتِ حال یہ ہے کہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے عمل فرمایا ہوتا ہے اور جس راوی نے جو طریقہ مشاہدہ کیا اسے روایت کر دیا یا پھر یہ ہوتا ہے کہ احادیث میں باہم تقدم و تاخر زمانی موجود ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو علوم حدیث پر عبور حاصل ہے وہ اس تقدم و تاخر زمانی کو معلوم کر لیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر پہلی حدیث کو منسوخ اور بعد والی حدیث کو ناسخ قرار دیتے ہیں۔

احادیث احکام کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ بہت

Marfat.com

سے اعمال و افعال کی تشریع دفعتاً نہیں ہوئی بلکہ بتدریج ہوئی ہے مثلاً نماز ابتدا میں دو رکعت فرض ہوئی بعد میں رکعات کی تعداد چار ہو گئی یا مثلاً ابتداء اسلام میں صرف دو ہی وقت صبح اور عصر کی نماز فرض تھی بعد میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو احکام پر مشتمل احادیث کے معاملے میں اس تدریج کے عمل کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس تدریج کے عمل سے پیدا ہونے والے اختلاف کو تعارض یا تناقض کا درجہ دینا غلط ہوگا۔

غرض ایسی احادیث جن کا باہمی تعارض و اختلاف رفع کرنا مشکل ہو تعداد میں اتنی قلیل ہیں کہ ان کو غیر متعارض و غیر مختلف احادیث سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کے عدد کو ہزار کے عدد سے ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قدر اقل قلیل احادیث متعارضہ کی بنیاد پر پورے ذخیرۂ حدیث کو غیر معتبر قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ احادیث نبویہ کسی ایک ناقابل تقسیم کل کا نام تو ہے نہیں کہ اس کا ایک جزو ساقط ہوا تو کل کے کل کا ساقط ہونا لازم آگیا، ہر حدیث اپنے اپنے مقام پر اپنی ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے اور ہر ایک اپنی جداگانہ سند کے ساتھ روایت ہوئی ہے بنابریں دو چار روایات کیا دو چار سو روایات بھی ساقط ہو جائیں تو بقیہ ہزاروں روایات کا سقوط لازم نہیں آسکتا۔ اوّل تو ایسی روایات کے بارے میں جن کا باہمی تعارض و اختلاف رفع کرنا مشکل ہو درست اور صحیح طریقۂ عمل یہ ہے کہ راجح اور احوط پر عمل کیا جائے لیکن اگر ترک ہی کرنا منظور ہے تو ظاہر ہے صرف انہی روایات کو ترک کیا جائے گا جو باہم متعارض ہوں گی ان کی وجہ سے غیر متعارض روایات کو ترک کرنے والا پاگل اور احمق ہی کہلائے گا۔

۶۔ روایت بالمعنیٰ اس کے بعد نمبر ہے منکرین حدیث کے اس اعتراض کا کہ اکثر احادیث کی روایت بالمعنیٰ ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر ارشادات کے مفہوم و مضامین کو راوی نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے چنانچہ ان کے خیال میں جب آپؐ کے الفاظ ہی محفوظ نہیں تو مفہوم و

مضامین کے بارے میں کیسے یہ یقین کر لیا جائے کہ وہ بہ تمام و کمال ہم تک پہونچ گئے ہیں۔

اس اعتراض کا انداز یہ بتلا رہا ہے جیسے معترضین کے نزدیک احادیث نبوی کا جس قدر ذخیرہ ہے وہ سب کا سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر مشتمل ہے حالانکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ حدیث فقط اقوال نبوی ہی کا نام نہیں بلکہ آپؐ کے افعال اور آپؐ کے سامنے پیش آنے والے حالات و واقعات کو بھی حدیث ہی کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات منکرین حدیث بھی بخوبی جانتے ہیں لیکن حقائق کو چھپا کر اپنے مطلب کی بات نکالنا ان کی عادت ہو گئی ہے۔ بہرحال اتنی بات واضح ہے کہ متذکرہ بالا اعتراض صرف ان احادیث تک محدود ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر مشتمل ہیں اس لیے کہ صرف اقوال ہی کے بارے میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ان کی روایت بالمعنیٰ کیوں ہے باللفظ کیوں نہیں جہاں تک آپؐ کے افعال اور آپؐ کے سامنے پیش آنے والے حالات اور واقعات کا تعلق ہے تو ظاہر ہے ان کے باللفظ روایت ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کے منہ سے نکلنے والے کلمات تو باللفظ نقل کیے جا سکتے ہیں لیکن کسی کی ذات سے صادر ہونے والے افعال یا کسی کی ذات سے تعلق رکھنے والے احوال الفاظ یا کلمات تو نہیں ہیں کہ انہیں باللفظ نقل کیا جا سکے ان کو تو نقل کرنے والا ہر راوی اپنے ہی الفاظ میں نقل کرے گا اگرچہ بنیادی مفہوم ہر ایک کا یکساں رہے گا۔

اب روایت بالمعنیٰ کا اعتراض چونکہ اقوال نبوی تک ہی محدود رہ گیا ہے اس لیے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ منکرین حدیث کو وہ تمام احادیث تسلیم کر لینی چاہئیں جن کا تعلق افعال و احوال نبوی سے ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ ذخیرۂ احادیث کا اکثر حصہ افعال و احوال نبوی پر ہی مشتمل ہے اقوال نبوی پر مشتمل حصہ اس کے مقابلے میں بہت قلیل ہے اس طرح حدیث کا ایک بہت ہی قلیل حصہ ایسا ہے جو اب محل نظر رہ گیا ہے۔ اس قلیل حصے میں سے بھی بہت سے اقوال نبوی ایسے ہوں گے جو افعال و احوال نبوی ...

Marfat.com

مطابقت رکھتے ہوں۔ گے ان کو تسلیم کر لینے میں بھی منکرین حدیث کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے اس لیے کہ تسلیم شدہ حصے سے ان کا مطابقت رکھنا ثبوت ہے اس بات کا کہ روایت بالمعنیٰ کے طریقے سے جو نقصان انہیں پہونچنے کا احتمال تھا وہ اس سے محفوظ رہے ہیں۔ اس کے بعد جو بہت ہی قلیل حصہ اقوال نبوی کا بچے گا اس میں سے ان احادیث کو بھی علیحدہ کر لیجئے جو اوراد و اذکار اور ادعیہ مسنونہ پر مشتمل ہیں ایسی احادیث کے بارے میں بلا تعرف تردید کہا جا سکتا ہے کہ وہ سب کی سب روایت باللفظ ہیں اس لیے کہ امت مسلمہ کے درمیان ایسی احادیث نسل در نسل ایک ہی جیسے الفاظ کے ساتھ نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ اسی طرح اذان، تشہد، اقامت اور احادیث اخلاق نیز احادیث قدسیہ اور احادیث جوامع الکلم یہ سب کی سب احادیث بھی تقریباً باللفظ روایت ہوئی ہیں اس قسم کی تمام احادیث پر بھی منکرین حدیث کا اعتراض صادق نہیں آتا اس لیے ان کو بھی قبول کر لینے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد اقوال نبوی کا بقیہ حصہ رہ ہی کتنا جاتا ہے جس پر روایت بالمعنیٰ کا اعتراض وارد ہوتا ہو۔

بہرحال منکرین حدیث کے نزدیک اگر حفاظت حدیث میں شبہ روایت بالمعنیٰ ہی کی بنا پر تھا تو یہ شبہ صرف اس اتنے ہی حصہ تک محدود رہنا چاہیئے جتنا حصہ روایت بالمعنیٰ کے طریقے سے غیر محفوظ ثابت ہے اور وہ ہم ابھی بتلا چکے ہیں کہ انتہائی قلیل ہے مگر قارئین کو یہ سن کر شاید تعجب ہوگا کہ اس اقل قلیل حصہ حدیث کے مشتبہ و مشکوک ہونے کی بنیاد پر منکرین حدیث پورے کے پورے ذخیرۂ حدیث کو مشتبہ و مشکوک قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ حصہ بھی جو روایت باللفظ کے طریقے سے ثابت ہے۔ کتنی عجیب بات ہے ہم اب تک تو یہ سنتے آئے تھے کہ اکثر کی بنیاد پر کل کا حکم ثابت ہوتا ہے منکرین حدیث نے اس کلیہ کو اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر الٹ دیا ہے ان کے یہاں اب اقل قلیل کی بنیاد پر کل کا حکم ثابت ہونے لگا ہے۔ ہم تو جب جانیں جب منکرین حدیث اپنے دنیاوی کاروبار بھی اسی کلیے کے مطابق انجام دینے لگیں اور آج ہی سے سب سے پہلا کام یہ کریں کہ

Marfat.com

کھانا کھانا بالکل چھوڑ دیں کیونکہ کھانا کھانے سے کبھی کبھی بدہضمی بھی ہو جاتی ہے اور قلیل کی بنیاد پر کل کے حکم کا اثبات ایک اُصول کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

مزے کی بات تو یہ ہے کہ روایت بالمعنیٰ کے طریقے پر منقول یہ انتہائی قلیل حصہ حدیث بھی فی الحقیقت مشتبہ ہی رہتا اس لیے کہ محدثین کے ہاں روایت بالمعنیٰ وہی مقبول ہے جس کا راوی الفاظ کے مدلول و مفہوم اور معانی و مقاصد کو خوب سمجھتا ہو اور یہ بھی خوب جانتا ہو کہ اگر اس لفظ کے بجائے دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو مفہوم میں کتنا تغیر ہو جائے گا جو راوی ان صلاحیتوں سے بہرہ ور نہیں اس کی روایت بالمعنیٰ محدثین کے نزدیک بالاتفاق مقبول نہیں۔

روایت بالمعنیٰ کے سلسلے میں یہ حقیقت بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ احادیث نبوی کے اولین راوی صحابہ کرام اعلیٰ درجے کے قوی الحافظہ ہونے کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس بھی تھے نیز آپ کی مراد میں کسی تغیر و تبدل اور آپ کے کلام میں ادنیٰ تحریف کو اپنے لیے شقاوت ابدی خیال کرتے تھے ایسے راویوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے مقصود کو اگر اپنے الفاظ میں بیان کیا بھی ہے تو کیسے یہ تصور کر لیا جائے کہ ان سے کوتاہی ہو گئی ہو گی اور مقصود و مراد نبوی میں تغیر و تبدل آ گیا ہو گا۔

روایت بالمعنیٰ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے اتنی ہے کہ روایت باللفظ کے مقابلے میں روایت بالمعنیٰ وثاقت اور اطمینان کے لحاظ سے کم درجہ رکھتی ہے اور اس سے کسی کو انکار بھی نہیں فقہائے اسلام بالاتفاق اس کے قائل ہیں۔

۷۔ حضرت ابوہریرہؓ اور صحابہ کی تنقید

اب تک ہم منکرین حدیث کے چند اعتراضات کا جواب دے چکے ہیں۔ اوپر ساتویں نمبر پر جس اعتراض کا ہم نے حوالہ دیا ہے اس کا تعلق

Marfat.com

ان پر تنقید کی ہے اور ان کی صداقت بیانی پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے پھر اسی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ احادیث نبوی کا ایک کثیر حصہ چونکہ حضرت ابوہریرہؓ ہی سے مروی ہے اس لیے وہ سارا کا سارا ناقابل اعتماد ہے۔

اس اعتراض کی اصل حقیقت پر کلام کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی وضاحت کر دی جائے کہ صحابہ کے درمیان جو بھی علمی نزاع و اختلاف ہمیں مختلف کتابوں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے اس کی حقیقت تبادلۂ افکار و نظریات سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ دراصل بات یہ ہے کہ فہم و ادراک اور قوت استنباط کے اعتبار سے سب صحابہ یکساں نہ تھے بعض اوقات ایسا ہوتا کہ خاص حالات کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی سے کوئی معاملہ کرتے اور وہ اسے عام حکم سمجھ کر لوگوں کے سامنے بیان کر دیتا اس سے صحابہ کے مابین علمی بحث کا آغاز ہو جاتا اور تردید و تائید کا سلسلہ شروع ہو جاتا تاآنکہ حق واضح ہو جاتا اور حق واضح ہوتے ہی یکایک وہ علمی بحث اپنے انجام کو پہونچ جاتی اور ہر فریق حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا۔ حق واضح ہونے سے پہلے جس قدر بھی تردیدات ایک دوسرے کے لیے روا رکھی جاتیں ان کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کی صداقت بیانی کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں بلکہ ہوتا یہ تھا کہ مثلاً ایک صحابی کوئی حدیث روایت کرتا اور دوسرا صحابی اس روایت کو منسوخ یا مخصوص یا مقید تصور کرتا یا ایک صحابی روایت کرتا اور دوسرا سمجھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کسی خاص شخص سے متعلق ہے اور مخصوص حالات کے نتیجے میں صادر ہوا ہے۔ یا مثلاً ایک صحابی کسی حدیث کو ایک طریقے سے بیان کرتا اور دوسرا اسے اس سے مختلف انداز میں نقل کرتا۔ اس قسم کی تمام صورتوں میں حق واضح ہونے تک ایک صحابی دوسرے صحابی کے بارے میں مختلف خیالات کا اظہار کرتا مثلاً یہ کہ اسے وہم ہوا ہے یا یہ کہ وہ بھول گیا ہے یا اس سے کوئی فروگذاشت ہوئی ہے۔ اب اس قسم کے یا اسی سے ملتے جلتے جس قدر بھی اقوال و آثار منقول ہیں ناواقف حال یا تعصب سے مغلوب حضرات ان کے بارے میں جو چاہیں رائے زنی کرتے رہیں ان کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ صحابہ فہم حدیث کی خاطر ایک دوسرے سے تبادلۂ افکار کرتے

Marfat.com

تھے تاکہ حق کھل کر سامنے آجائے۔

بس اسی پر حضرت ابوہریرہؓ اور دیگر صحابہ کے معاملے کو قیاس کر لیجئے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور دیگر صحابہ کے مابین جو علمی تنازعات کا ذکر ہمیں مختلف کتب میں ملتا ہے اس کی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ وہ محض ایک علمی تبادلۂ افکار تھا جو فہم و ادراکِ حدیث کی خاطر صحابہ اور حضرت ابوہریرہ کے درمیان وقتاً فوقتاً بپا ہوا اس کو حضرت ابوہریرہؓ کی تردید و تکذیب پر محمول کرنا سراسر کم علمی اور جہالت ہے۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی سوچنے کی بات یہ ہے کہ صحابہ اگر حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوتے تو وہ ان کو اس بات کی اجازت کیونکر دے سکتے تھے کہ وہ کھلم کھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ذرا خیال تو کیجئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسا بری اور بے باک حق پرست کیا کسی ایسے شخص کو جس کی مرویات صحابہ کے درمیان شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہوں روایت حدیث کی اجازت دے سکتا تھا یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی فقیہہ و عالم ام المومنین کیا اس صورتِ حال کو خاموشی سے برداشت کر سکتی تھیں کہ ایک آدمی جو احادیث نبوی کے بارے میں قابلِ اعتماد منصور نہیں ہوتا دن رات کثیر احادیث روایت کرتا رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے زمانے میں بہت سے صحابہ بقید حیات تھے اور صحابہ کی دینی غیرت سے کون واقف نہیں حدیث میں غلطی کرنے والے کے بارے میں وہ چشم پوشی سے کام لیں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ان سب کے سامنے اگر حضرت ابوہریرہؓ روایت حدیث کا مشغلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور اس انداز سے رکھے ہوئے ہیں کہ صحابہ میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے شمار کیے جاتے ہیں تو یہ بیّن ثبوت ہے اس بات کا کہ صحابہ کے درمیان حضرت ابوہریرہؓ کو روایت حدیث میں معتمد خیال کیا جاتا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ صحابہ کی نظر میں

علاوہ ازیں صحابہ کے درمیان اگر حضرت ابوہریرہؓ کو اعتماد کا درجہ حاصل نہ تھا جیسا کہ منکرین حدیث کا دعویٰ ہے تو صحابہ کے ان اقوال و آثار کے بارے میں وہ کیا

Marfat.com

کہیں گے جو حضرت ابوہریرہؓ کی مدح وستائش میں وارد ہوئے ہیں مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک موقعہ پر حضرت ابوہریرہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

یا اَبَا ھریرۃَ اَنْت کنتَ اَلزَمَنا لِرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واَحفَظَنا لحدیثہٖ۔ (ترمذی - المناقب)۔	اے ابوہریرہ آپ ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہنے والے اور ہم سے زیادہ احادیث کو یاد رکھنے والے ہو۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے سامنے حضرت ابوہریرہ کی کثرت روایت پر تعجب کا اظہار کیا تو حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے فرمایا:

اَمَا اَنْ یکون سمع من رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم مالم نسمع عنہ' (ترمذی - المناقب)۔	اس میں شک نہیں کہ (ابوہریرہ نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ سنا ہے جو ہم نے نہیں سُنا۔

اسی قسم کا ایک قول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کسی نے ان کو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بیان کرتے سُنا تو تعجب سے پوچھا کہ آپ تو خود صحابی ہیں اس کے باوجود حضرت ابوہریرہؓ کی روایتیں نقل کرتے ہیں آپ نے جواب میں فرمایا:

اَنَ اَبا ھریرۃ قد سِمعَ مالم نسمع و اِنی ان اَحدث عنہ اَحبّ اِلیّ من اَن اَحدِّث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مالم اسمعہ منہ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸)	ابوہریرہ نے وہ کچھ سنا ہے جو ہم نے نہیں سنا اور مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ میں ابوہریرہ سے روایت کروں بہ نسبت اس کے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بلاواسطہ) روایت کروں یعنی وہ کچھ جو میں نے آپؐ سے خود نہیں سُنا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا

Marfat.com

وعلیک ابا ھریرۃ یعنی تمہیں چاہیئے کہ تم یہ سوال ابوہریرہ سے کرو پھر ان کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی اس دُعا کا ذکر کیا جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا تھا اور جو کبھی فراموش نہ ہونے والے علم سے متعلق تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں یہ سارا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی واقعے میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب حضرت ابوہریرۃ کی تقلید کرتے ہوئے بعض دیگر صحابہ نے بھی ایسی ہی دعا درخواست کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَسَبَقَکم بھا الغلام الدوسی	دوسی لڑکا تم پر سبقت لے گیا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۶)

غرض حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مدح وستائش میں صحابۂ کرام کے یہ تمام اقوال اس بات کا ثبوت ہیں کہ صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے جس کا منکرین حدیث کو دعوے ہے۔ اور یہ تو ہم نے صرف چند اقوال نقل کیے ہیں ورنہ اسی قسم کے مضامین کے حامل اور بھی بہت سے اقوال اس ثبوت میں پیش کیے جاسکتے ہیں کہ حضرت ابوہریرۃ صحابۂ کرام کے نزدیک نہ صرف قابلِ اعتماد بلکہ دُوسروں سے زیادہ قابل اعتماد، دوسروں سے زیادہ احادیث نبوی کو یاد رکھنے والے اور دُوسروں سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہ کر کسب علوم وبرکات میں سبقت لے جانے والے خیال کیے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "ابوہریرۃ کو ہم سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت کا شرف حاصل تھا اور وہ ہم سے بڑے حافظ حدیث تھے"[1]۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعبؓ حضرت ابوہریرہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے "ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں بھی پوچھنے کی جرأت کر لیتے جو ہم نہیں کر سکتے تھے"[2]۔

---

[1] النہایۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی [2] ایضاً

منکرین حدیث کا استدلال

حضرت ابوہرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے کے لیے منکرین حدیث خود حضرت ابوہریرہؓ ہی کے ایک قول سے دلیل پکڑتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے اس قول پر تفصیلی گفتگو کی جائے تاکہ اصل حقیقت سامنے آجائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول وہ ہے جس کو امام مسلم نے حضرت اعرج سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں:

سمعتُ اَبا ھریرۃ یقول اِنکم تزعمون اَنّ اَبا ھریرۃ یکثر الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ الموعد کنتُ رجلاً مسکینًا اَخدُمُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ مِلءِ بطنی وکان المھاجرون یشغلُھم الصفقُ بالاسواقِ وکانتِ الانصارُ یشغلھم القیام علیٰ اموالھم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یبسُط ثوبَہٗ فلن ینسیٰ شیئًا سمعَہ منّی فبسطتُ ثوبی حتّیٰ قضیٰ حدیثہ ثم ضممتُہٗ الیّ فما نسیتُ شیئًا سمعتہ منہ۔ (مسلم۔ فضائل الصحابہ)

میں نے ابوہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم سمجھتے ہو کہ ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت احادیث بیان کرتا ہے بخدا میں تو ایک مسکین شخص تھا اور صرف اپنا پیٹ بھر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کے سوا میرا کوئی کام نہ تھا اور مہاجرین کو بازار کے کاروبار سے فرصت نہ تھی جبکہ انصار اپنے اموال کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا کپڑا بچھادے وہ مجھ سے جو بات سنے گا وہ بھولے گا نہیں سو میں نے اپنا کپڑا بچھادیا یہاں تک کہ آپؐ حدیث بیان کرچکے پھر میں نے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگالیا چنانچہ (پھر) میں نے جو بات بھی آپؐ سے سنی کبھی نہیں بھولا۔

منکرین حدیث اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں حضرت ابوہریرہؓ کا

Marfat.com

خود اپنا اعتراف موجود ہے کہ صحابہ کثرت مرویات کی بنا پر ان کی روایت کردہ احادیث کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان پر تنقید کیا کرتے تھے۔

بدگمانی نہیں اظہار تعجب

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس حدیث میں کونسی بات ایسی ہے جس سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہو کہ حضرت ابوہریرہ کی مرویات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ متذکرہ بالا حدیث میں حضرت ابوہریرہ کی کثرت روایت پر اظہار تعجب ضرور کیا گیا ہے مگر اظہار تعجب سے شک و شبہ کا اظہار کیسے لازم آیا۔ بعض اوقات ایک شخص جس کی صداقت بیانی پر پورا اعتماد ہوتا ہے کوئی عجیب واقعہ بیان کرتا ہے یا اس کی ذات سے کسی عجیب عمل کا صدور ہوتا ہے اور آپ اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ اس کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں یا اس کو جھٹلا رہے ہیں۔ بخلاف اس کے اظہار حیرت سے آپ کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ امر واقعہ کی اصل حقیقت بیان کر کے آپ کے تعجب کا ازالہ کرے۔ بالکل یہی معاملہ حضرت ابوہریرہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت ابوہریرہ متاخر الاسلام ہونے کے باوجود دیگر صحابہ کے مقابلے میں زیادہ حدیثیں روایت کیا کرتے تھے صحابہ کے درمیان سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ وہ سمندر کی سی روانی کے ساتھ جب حدیثوں پر حدیثیں بیان کیے چلے جاتے تو اس سے بعض ان تابعین کے دل میں جو حضرت ابوہریرہ کے ذاتی حالات سے واقف نہ تھے یا بعض ان صحابہ کے ذہنوں میں جو مدینہ سے دور بود و باش رکھتے تھے اس تعجب کا پیدا ہونا فطری امر تھا کہ آخر آپ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں اس قدر احادیث کے محفوظ کرنے والے کیسے بن گئے یہی تعجب ایک سوال بن کر کبھی کبھی ان کی زبانوں پر بھی آجاتا مگر جب حضرت ابوہریرہ حقیقت حال واضح فرماتے تو سب کے دل مطمئن ہو جاتے۔

حضرت ابوہریرہ کو دوسرے صحابہ کے مقابلے میں اس قدر کثیر احادیث کیسے محفوظ ہو گئی تھیں اس کی وجوہ حضرت ابوہریرہؓ نے اسی متذکرہ بالا حدیث میں خود بیان کر دی ہیں اس کی وجہ دو تھیں ایک یہ کہ حضرت ابوہریرہ ہمہ وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

Marfat.com

ہیں حاضر رہتے تھے دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے جو کچھ ایک مرتبہ آپ یاد کر لیتے کبھی نہ بھولتے ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ ہجری میں ایمان لائے اور پہلے دِن سے لے کر آپؐ کے وصال تک ایک دِن کے لیے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے سے جُدا نہ ہوئے ہر وقت آپؐ کے ساتھ رہے جہاں بھی آپؐ تشریف لے جاتے ابو ہریرہ ساتھ ہوتے، کئی کئی دِن کھانے کو نہ ملتا مگر ابو ہریرہ کو یہ گوارا نہ ہوتا کہ حفظِ حدیث کا مشغلہ چھوڑ کر دُنیا کے کسی کاروبار میں لگ جائیں ان کے مقابلے میں دُوسرے صحابہ کو خدمت نبوی میں حاضری کے ساتھ ساتھ دنیوی مشاغل کے لیے بھی وقت نکالنا پڑتا تھا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ نے خود بتایا مہاجرین بے چارے بازاروں میں کاروبار تجارت میں مصروف رہتے اور انصار کو اپنے باغات اور اپنے اموال کی دیکھ بھال کی طرف توجہ دینی پڑتی ۔ اس طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے چار سال کے عرصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ حاصل کر لیا جو دوسرے نہ کر سکے ۔ پھر اس پر مزید یہ ہُوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث کے حفظ میں ان کا شغف دیکھ کر معجزانہ انداز میں ان کی قوتِ حافظہ کی تقویت کا ایسا سامان کر دیا کہ جو یاد کیا کبھی ذہن سے محو نہ ہوا۔ چادر کا قصہ اوپر کی حدیث میں بھی بیان ہوا ہے دیگر کئی روایات میں بھی آیا ہے، جن میں سے بعض میں ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے خود ضعف حافظہ کی شکایت کی تھی جس پر اس چادر والے طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فیضیاب فرمایا۔

غرض خدمت نبوی میں ہمہ وقت حاضری اور دُعائے نبوی کی برکت سے غیر معمولی قوت حافظہ ان دونوں باتوں نے مل کر حضرت ابو ہریرہ کو حفظ حدیث اور کثرت روایت کے معاملے میں دوسرے لوگوں سے ممتاز بنا دیا۔

کثرتِ روایت کا ایک اور سبب

حضرت ابو ہریرہ کی کثرت روایت کا ایک اور سبب بھی تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت راشدہ کے عصر و عہد میں جب صحابہ کی کثیر تعداد اِدھر اُدھر مختلف بلاد و امصار میں پھیل گئی تو حضرت ابو ہریرہ نے محسوس کیا کہ احادیث کا جو ذخیرہ ان کے

Marfat.com

پاس امانت ہے اسے ہر حال میں امت مسلمہ کے جتنے افراد تک وہ پہونچا سکیں پہونچا دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آخری گھڑی آ کھڑی ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہوا یہ کثیر علم ان کے سینے میں مخفی ان کے ساتھ ہی چلا جائے اور کتمانِ علم کا الزام ان کے سر رہ جائے چنانچہ بعض مواقع پر اپنے اس فکر و احساس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے اگر قرآن کی یہ آیت نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا[1] پھر سورۂ بقرہ کی وہ آیت تلاوت فرماتے جس میں کتمانِ علم پر اللہ کی لعنت کا ذکر ہے

غرض جن لوگوں کو حضرت ابوہریرہ کے ضعف حدیث کا حال معلوم نہ ہوتا تھا وہ ان کی کثرت روایت کو دیکھ کر تعجب میں پڑ جاتے تھے اور اپنی حیرت و استعجاب کو دور کرنے کے لیے حضرت ابوہریرہؓ سے مختلف سوالات کرنے لگتے تھے اسی حیرت و استعجاب کو دور کرنے کے لیے حضرت ابوہریرہؓ اس حقیقت کا اظہار فرماتے جس کا ذکر زیر بحث حدیث یا اسی قسم کی دوسری احادیث میں ہمیں ملتا ہے

ایک اور حقیقت

زیر بحث حدیث سے ایک اور حقیقت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی کثرت روایت پر حیرت و استعجاب کا اظہار بھی مشاہیر صحابہ میں سے کسی کی جانب سے نہ تھا بلکہ ان کا اظہار کرنے والے وہ لوگ تھے جو نہ تو چند برگزیدہ صحابہ کی صف میں شامل تھے اور نہ ان کو اسلام میں سبقت کرنے اور عرصہ مدید تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قریب ترین صحابیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی کثرت روایت پر حیرت و تعجب کا اظہار کرنے والوں میں سرے سے کوئی صحابی تھا ہی نہیں حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ پر غور کیجئے وہ معترضین کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں "اور مہاجرین کو بازار کے کاروبار سے فرصت نہ تھی جبکہ انصار اپنے اموال کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے تھے" معلوم ہوا حضرت ابوہریرہؓ کے مخاطبین میں مہاجرین و

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم ۲

Marfat.com

انصار میں سے کوئی شامل نہ تھا اگر کوئی شامل ہوتا تو حضرت ابوہریرہؓ کا خطاب ان الفاظ میں ہوتا "تم لوگ تجارت و زراعت کے کاموں میں مصروف رہتے تھے" یہ غائب کے صیغے سے مہاجرین و انصار کا ذکر دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت ابوہریرہؓ کی کثرت روایت پر تعجب کا اظہار کرنے والے مہاجرین و انصار کے علاوہ کچھ لوگ تھے۔

ہمارے اس خیال کی تائید میں وہ روایت اور بھی زیادہ صریح ہے جس کو امام مسلم نے ہی حضرت سعید ابن مسیّب سے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں معترضین کا قول ان الفاظ میں نقل ہوا ہے:

ویقولون ما بال المهاجرین و الانصارِ لا یتحدثون مثل احادیثہٖ۔ (مسلم فضائل الصحابہ)	لوگ کہتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کو کیا ہوا وہ ابوہریرہ کی طرح حدیثیں بیان نہیں کرتے۔

غور کرنے کی بات ہے اگر اعتراض کرنے والے مہاجرین و انصار میں سے کوئی ہوتے تو ان کا قول لازماً ان الفاظ میں نقل ہوتا ما بالنا لا نتحدث مثل احادیثہٖ (ہمیں کیا ہوا ہم ابوہریرہ کی طرح حدیثیں روایت نہیں کرتے) اسی طرح جواب میں حضرت ابوہریرہ یہ نہ کہتے کہ میرے انصاری بھائی اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں لگے رہتے اور میرے مہاجر بھائی بازار کے معاملات میں مصروف ہوتے" بلکہ سیدھے سادے طریقے سے کہتے کہ تم زمینوں کی دیکھ بھال میں یا تم بازار کے معاملات میں مصروف رہتے تھے۔

غرض اس قسم کی جتنی روایات بھی مسلم یا بخاری میں ہیں ان کے الفاظ اسی حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی کثرت روایت پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرنے والے صحابہ کے علاوہ کوئی ایسے لوگ تھے جو حضرت ابوہریرہؓ کے شغف حدیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے خصوصی تعلق سے کما حقہٗ واقف نہ تھے۔ ہم نے حضرت ابوہریرہ کے سیر و سوانح کو خوب خوب کنگھالا کتب آثار و حدیث میں بڑی تلاش و جستجو سے کام لیا کہ کسی ایک ہی ایسے صحابی کا نام مل جائے جس نے

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ کو کثرت روایت کی بنا پر مطعون کیا ہو لیکن کوئی ایک روایت بھی ہمیں ایسی نہیں مل سکی۔ حضرت ابو ہریرہؓ پر تنقید کرنے والوں میں مشاہیر صحابہ میں سے اگر کوئی ہوتا تو تاریخ کے اوراق میں یہ بات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتی جس طرح صحابہ کی دوسری ردّو قدح کا ذکر ہمیں کتب تاریخ میں ملتا ہے اس کا ذکر بھی ضرور ملتا۔

ہم منکرین حدیث کے ممنون ہوں گے اگر وہ کوئی ایک ہی ایسی صحیح تاریخی شہادت پیش کر دیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی معروف صحابی نے حضرت ابو ہریرہ کو آپکی کثرت روایت پر مطعون کیا ہو یا کسی صحابی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف کذب بیانی کی نسبت کی ہو اور ان کو حدیثیں روایت کرنے یا دوسروں کو ان کی مرویات سننے سے روکا ہو۔ ہمیں یقین ہے وہ کوئی ایسی شہادت پیش نہیں کر سکیں گے۔

اس ضمن میں کوئی تاریخی ثبوت تو خیر منکرین حدیث قیامت تک پیش نہیں کر سکیں گے البتہ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک روایت کے بعض الفاظ کو توڑنے مروڑنے کی کوشش کی ہے اور اس سے اپنے مطلب کی بات نکالنی چاہی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔ امام مسلم نے اسے کتاب المساقات والمزارعۃ میں روایت کیا ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انّ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرَ بقتل الکلاب الاّ کلب صید أو کلبَ غنم أو ماشیۃ فقال لابن عمر رضی اللہ عنہما أن ابا ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول او کلب	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا مگر شکار کا کتا یا بکریوں کا کتا اور جانوروں کی حفاظت کا کتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ تو

زرع فقال ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما إنّ لِابی ھریرۃ زرعًا۔

(مسلم کتاب المساقات والمزارعۃ باب الامر بقتل الکلاب)۔

کھیت کا کتّا بھی (مستثنٰی) کہتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت ابوہریرہؓ کے پاس کھیت بھی ہے۔

اس حدیث کے الفاظ "إنّ لابی ھریرۃ زرعًا" کے مفہوم کو منکرین حدیث اس معنے میں لیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی جانب سے یہ ایک لطیف طنز ہے حضرت ابوہریرہ پر یعنی دراصل حضرت ابن عمر کنایہ چاہتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابوہریرۃ کے پاس کھیتی بھی ہے اس لیے یہ کھیتی کے کتّے کا استثنا انہوں نے معاذ اللہ اپنی طرف سے بڑھالیا ہے۔

اگرچہ اکثر شارحین حدیث نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے اس قول پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ ان الفاظ سے حضرت ابن عمر کا مقصود کیا تھا ہم اس پر بھی ابھی گفتگو کریں گے مگر اس سے پہلے ہم منکرین حدیث سے پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ کھیتی کا کتا کے الفاظ روایت کرنے میں کیا حضرت ابوہریرہ منفرد ہیں اگر وہ منفرد ہوں اور دیگر کسی صحابی سے یہ الفاظ مروی نہ ہوں تو پھر تو منکرین حدیث کا یہ قول کسی درجے میں قابل غور ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت ابن عمر کی مراد حضرت ابوہریرہؓ کو کذب بیانی سے متہم کرنا تھا لیکن اگر صورتِ حال اس سے مختلف ہو اور یہ الفاظ دوسرے صحابہ نے بھی روایت کیے ہوں تو پھر منکرین حدیث کا یہ قول کسی درجے میں بھی قابل قبول نہ ہوگا۔ اب سنئے وہ روایت جس میں کھیتی کے لیے کتّا پالنے کی اجازت کا ذکر ہے کس کس صحابی سے مروی و منقول ہے امام بخاری نے اسے حضرت سفیان بن ابی زہیر[1] سے روایت کیا ہے مسلم میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر حضرت شعبہ اور حضرت سفیان بن ابی زہیر[2] سے

---

[1] ماجاء فی الحرث والمزارعۃ [2] کتاب المساقاۃ والمزارعۃ

روایت ہوئی ہے ترمذی کتاب الصید میں حضرت ابوہریرہ کی روایت کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ ابن مغفل کی روایات میں بھی کھیتی کے لیے کتا پالنے کی یہ اجازت صریحاً مذکور ہے۔ اب بتلائیے جب اس روایت میں حضرت ابوہریرہ منفرد نہیں بلکہ دیگر متعدد صحابہ نے بھی اسے روایت کیا ہے تو پھر کیسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ حضرت ابوہریرہ کے پاس کھیتی بھی تھی اس لیے انہوں نے اپنی طرف سے حدیث کے الفاظ میں کھیتی کے کتے کی اجازت کا اضافہ کر لیا تھا اور حضرت ابوہریرہؓ کے اسی فعل پر طنز کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ کہا تھا کہ ابوہریرہ کے پاس کھیتی بھی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پھر آخر ان الفاظ سے حضرت ابن عمر کا مقصود کیا تھا۔ شارحین حدیث نے اس سلسلہ میں جو وضاحت کی ہے ہمیں افسوس ہے کہ منکرین حدیث نے اس کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ہم اگر یہ کہیں تو بالکل درست ہوگا کہ عامۃ الناس کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے انہوں نے جان بوجھ کر اس وضاحت کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ حافظ بن حجر نے فتح الباری میں حضرت ابن عمر کے ان الفاظ پر تبصرہ کرتے ہوئے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ان الفاظ سے مقصود حضرت ابوہریرہ کی تصدیق ہے۔ لکھا ہے کہ رواۃ حدیث میں سے سفیان بن ابی زبیر اور عبداللہ بن مغفل نے حضرت ابوہریرہ کی تائید کی ہے۔ اسی طرح امام نووی شارح صحیح مسلم ان الفاظ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عبداللہ ابن عمر کا مقصود نہ ابوہریرہ کی روایت کی تغلیط ہے اور نہ اس کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار۔ بخلاف اس کے ان کا مقصد یہ جتلانا ہے کہ چونکہ حضرت ابوہریرہ زمین اور کھیتوں کے مالک بھی تھے اس لیے انہوں نے اس کھیتی کے کتے کی اجازت کے الفاظ سریع یاد رکھنے کا زیادہ اہتمام کیا اس لیے کہ یہ قاعدہ ہے جو شخص جس کام سے زیادہ شغف رکھتا ہے اس کام کے متعلق احکام دوسروں سے بڑھ کر یاد رکھتا ہے اور اس کے لیے وہ بلیغ اہتمام کرتا ہے جو دوسرے نہیں کرتے

شارحین حدیث کی اس تعبیر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ہی کی ایک روایت ایسی بھی ہے جس میں اُنہوں نے خود کھیتی کے کتّے کی اجازت نقل کی ہے اس روایت کو امام مسلم نے کتاب المساقات والمزارعۃ میں بروایت ابوالحکم بیان کیا ہے۔ اگر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کھیتی کے کتّے کی اجازت کو حدیث ابوہریرہ میں اضافہ تسور فرماتے تو خود اس اجازت کو کیوں روایت کرتے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اُنہوں نے جب حضرت ابوہریرہ سے یہ الفاظ سنے تو یا تو ان پر اعتماد کامل کی بنا پر یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تحقیق کر لینے کے بعد خود بھی وہ الفاظ روایت کرنے لگے۔ یہ بھی گمان ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو خود کسی وقت یہ یاد آیا ہو کہ میں نے آپؐ سے یہ الفاظ سنے تھے اور پھر ان کو بیان کرنا شروع کر دیا ہو بہرحال وجہ کچھ بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ حضرت ابن عمر نے یہ الفاظ خود بھی روایت کیے ہیں اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ انہیں ابوہریرہ کے ان الفاظ کی روایت پر قطعاً کوئی شک نہ تھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ منکرین حدیث کا یہ اعتراض بھی قطعاً بے بنیاد ہے کہ حضرت ابوہریرہ کو صحابہ کے درمیان اعتماد کا درجہ حاصل نہ تھا۔

۸- امام ابوحنیفہ پر حدیث سے بے نیازی کا الزام

اب منکرین حدیث کا صرف آخری اعتراض باقی رہ گیا ہے اس اعتراض کا لب لباب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثوں کو اس قابل سمجھا ہے کہ ان پر اعتماد کیا جائے یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی احکام و مسائل فقہی کا انہوں نے استنباط کیا ہے ان کے لیے صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثوں کو بنیاد بنایا ہے ورنہ ان کے مستنبط تمام مسائل کا مدار قرآن پر ہے۔ اُنہوں نے عملی حقائق کی روشنی میں قیاس کی بنیاد پر قانون کے اُصول اور نظریات مرتب کیے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا یہ طرز عمل جہاں اس بات کا ثبوت ہے کہ حدیث کا تمام تر ذخیرہ سوائے معدودے چند حدیثوں کے ناقابل اعتماد ہے وہاں اس طرز عمل میں ہمارے لیے یہ دلیل بھی ہے کہ قرآن کی تعبیر حدیث کی مدد کے بغیر موجود الوقت حالات کی روشنی میں

Marfat.com

کی جاسکتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کا سرمایۂ حدیث

یہ اعتراض ہی دراصل ایک غلط مفروضے پر مبنی ہے یہ بات کہ امام ابوحنیفہ نے استنباط مسائل میں صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثوں پر اعتماد کیا ہے ایک مفروضے سے زیادہ کچھ نہیں۔ امام ابوحنیفہ نے اگرچہ دیگر محدثین کی طرح حدیث نبوی کی تدریس کے لیے کوئی حلقۂ درس قائم نہیں کیا اور نہ ہی امام مالک کی طرح حدیث کی کوئی کتاب مرتب کی تاہم آپ کے تلامذہ نے آپؒ کی روایت کردہ احادیث کو کتب و مسانید میں جمع کیا ہے ان کتب و مسانید کی تعداد سترہ کے قریب ہے۔ ان میں سے امام ابوحنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابویوسف کی مرتب کردہ کتاب الآثار تو آج بھی شائع شدہ حالت میں مل جاتی ہے اس اکیلی کتاب میں ہی ایک ہزار سے زیادہ احادیث امام ابوحنیفہ کی روایت کردہ موجود ہیں اس کے علاوہ روایات ابی حنیفہ پر مشتمل کتب میں سے مشہور ترین کتب حسب ذیل ہیں:

(۱) کتاب الآثار المرفوعہ از امام محمد بن حسن

(۲) الآثار المرفوعہ والموقوفۃ از امام محمد بن حسن

(۳) مسند امام حسن بن زیاد اللؤلوی

(۴) مسند حمّام بن امام ابی حنیفہ

ان کے علاوہ "مسند ابی حنیفہ" کے نام سے اور بھی متعدد علماء نے کئی کتابیں مرتب کیں ان علماء میں امام ذہبی، امام بخاری، حارثی، ابن المظفر، محمد بن جعفر، ابونعیم اصبہانی، قاضی ابوبکر انصاری، ابن ابی العوّام اور ابن خسرو بلخی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان تمام مسانید کو بعد میں قاضی القضاۃ ابوالمؤیّد محمد بن محمود خوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے ایک ضخیم کتاب میں یکجا کر دیا اور اسے "جامع مسانید الامام الاعظم" کے نام سے موسوم کیا۔ یہ کتاب فقہی ابواب پر مرتب ہوئی ہے اور مکررات کو اس میں حذف کر دیا گیا ہے۔ اسے دائرۃ المعارف حیدرآباد نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ متذکرہ مسانید کے علاوہ خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن شاہین اور ابن عقدہ جیسے نامور علماء نے حدیث کی مرتب کردہ

Marfat.com

مختلف "مسانید ابی حنیفہ" کا ذکر بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ خطیب بغدادی نے جب دمشق کا سفر اختیار کیا تو دارقطنی اور ابن شاہین کی مرتب کردہ "مسانید ابی حنیفہ" ان کے ہمراہ تھیں علاوہ ازیں ان کی اپنی تالیف "مسند ابی حنیفہ" بھی ان کے پاس موجود تھی[1]۔ اسی طرح ابن عقدہ کی مسند کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے کہ اس میں ایک ہزار سے زیادہ روایات موجود تھیں۔ امام ابوحنیفہ کے ایک اور شاگرد رشید امام زفر نے بھی ایک کتاب کتاب "الآثار" کے نام سے مرتب کی تھی اس میں بکثرت روایات امام ابوحنیفہ کی تھیں۔ اس کا ذکر حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثیں قابل اعتماد تھیں تو پھر یہ ہزاروں کی تعداد میں وہ کونسی احادیث روایت کرتے رہے۔ ان احادیث کو وہ صحیح اور قابل اعتماد سمجھتے ہی تھے تو روایت کرتے تھے۔ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کے شیوخ کی تعداد جن سے انہوں نے روایات لی ہیں چار ہزار تک پہونچتی ہے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو "ثقہ اور حافظ حدیث" کے لقب سے یاد کیا ہے آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ سب کچھ ثبوت ہے اس بات کا کہ منکرین حدیث نے جس دعوے پر اپنے اعتراض کی بنیاد رکھی ہے وہ ایک خلاف واقعہ افسانے اور ملفوظ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

منکرین حدیث جو بات کہتے ہیں اس کا کسی معتبر کتاب میں بھی کوئی ذکر نہیں ملتا صرف ابن خلدون نے اس کو ذکر کیا ہے لیکن ایک تو اس کی کوئی سند نہیں بتائی دوسرے اس کی عبارت مبہم و مجمل ہے اس عبارت سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی مرویات کی تعداد ہی اتنی ہے حالانکہ ان مسانید کی موجودگی میں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کوئی عقل سے عاری ہی ہوگا جو اس بات کو درست جانے گا۔

---

[1] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی

Marfat.com

استنباط کا مبنیٰ احادیث

اب رہی یہ بات کہ اگر بکثرت احادیث امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح نہیں تو اُنہوں نے مسائل و احکام فقہی کے استنباط کے لیے صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثوں پر کیوں اکتفا کیا تو یہ بات بھی پہلی بات کی طرح قطعاً غلط، خلاف واقعہ اور مبنی بر کذب ہے کوئی شخص فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں سے اگر صرف امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، ابوبکر جصاص کی احکام القرآن اور امام سرخسی کی المبسوط ہی دیکھ لے تو اسے کبھی یہ غلط فہمی لاحق نہ ہو کہ امام ابوحنیفہ نے حدیث سے بے نیاز ہو کر صرف قیاس اور قرآن پر اپنے مسائل فقہی کے استنباط کی بنیاد رکھی تھی۔ شارح قدوری سید امیر کاکی نے بیدی نے ایک کتاب "الدرر المنیفۃ فی ادلۃ ابی حنیفۃ" کے نام سے مرتب کی ہے اگر ایک کتاب تو دیکھ لیا جائے تو منکرین حدیث کا جھوٹ پورا عیاں ہو جاتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ سب مؤافق و مخالف اس پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ ایک مجتہد امام تھے مجتہد کی لازمی شرائط میں سے کون نہیں جانتا کہ ایک یہ شرط بھی ہے کہ وہ احادیث احکام پر حاوی ہو اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ان کی احادیث جن کی تعداد میں بعض حنابلہ کا قول بھی آیا ہے کہ سات احادیث احکام کی تھی اور کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک ایسا شخص مسند اجتہاد پر فائز ہوتا اور امت مسلمہ اس کو مجتہد تسلیم کرتی جو صرف سترہ یا اٹھارہ احادیث کو مدار احکام بناتا ہے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ ایک ایسا شخص جس کا سرمایہ حدیث صرف یا اٹھارہ روایات ہوں مسلمانوں کے ایک ایسے عظیم امام کا درجہ حاصل کرے جس کا فقہی مسلک تمام دنیا کے مذاہب و مسالک سے وسیع تر شمار کیا جائے اور کائنات ارضی کے لاکھوں مسلمان جس کے ملقد پیرو ہوں۔ یہی نہیں بلکہ آنے والے زمانوں میں جس کے اجتہاد و فقہ پر مدتوں اعتماد کرتے اور اسے اقل دابت کرتے چلے آئے ہوں۔

امام ابوحنیفہ سے جو مسائل مروی ہیں ان کی کم از کم تعداد تراسی ہزار بتائی جاتی ہے بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے اس تحقیق کو تو ہم نہیں لیتے اور ذرا اس بات پر غور کیجئے کہ محدث ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب "المصنف" میں

ایک باب باندھا ہے جس میں وہ مسائل گنائے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے بقول ان کے احادیث صحیحہ کی خلاف ورزی کی ہے ان کی کل تعداد ایک سو پچیس ہے اگرچہ احادیث صحیحہ کی خلاف ورزی کے اس قول میں علمائے فقہ کو کلام ہے اور اُنہوں نے تفصیل سے اس کی اصل حقیقت بھی واضح کی ہے تاہم تھوڑی دیر کے لیے اس قول کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ایک سو پچیس کے علاوہ باقی تمام مسائل یعنی تقریباً بیاسی ہزار سے زائد مسائل جو امام ابو حنیفہ سے منقول ہیں وہ سب کے سب احادیث صحیحہ کے موافق ہیں قطع نظر اس کے کہ ان کے بارے میں کوئی حدیث صریحاً مروی ہو یا نہ ہو۔ اگر ان سب مسائل کی بنیاد بننے والی احادیث کو تلاش کیا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ امام ابو حنیفہ کے یہاں سینکڑوں بلکہ ہزاروں احادیث کا وجود ثابت ہو جائیگا۔

امام صاحب کا مسلک

غرض یہ خیال بھی قطعاً غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حدیث سے بے نیاز ہو کر صرف قیاس اور قرآن پر اپنے مسائل فقہی کی بنیاد رکھی۔ حدیث سے استناد کے معاملے میں امام ابو حنیفہ کا جو مسلک تھا اسے خود انہی کے الفاظ میں سنئے :

"جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو وہ سر آنکھوں پر میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں ہم آپؐ کی مخالفت نہیں کر سکتے جو بات صحابہ سے منقول ہو ہم اس میں سے اپنا پسندیدہ قول چن لیتے ہیں اور جو بات صحابہ کے علاوہ دوسروں سے منقول ہو تو ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں"۔ (میزان شعرانی جلد ۱ صـ ۶۱)

اسی سے ملتا جلتا مگر ذرا تفصیل کے ساتھ امام ابو حنیفہ کا ایک اور قول خطیب نے تاریخ بغداد میں نقل کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں :

"مجھے جب کوئی حکم خدا کی کتاب میں مل جاتا ہے تو میں اسی کو تھام لیتا ہوں اور جب اس میں نہیں ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپؐ کے ان صحیح آثار کو لیتا ہوں جو ثقہ لوگوں کے ہاں ثقہ لوگوں کے واسطے سے معروف ہیں پھر جب نہ کتاب اللہ میں حکم ملتا ہے نہ سنت رسول اللہ میں تو میں اصحاب رسول کے قول (اجماع صحابہ) کی

Marfat.com

پیروی کرتا ہوں اور ان کے اختلاف کی صورت میں جس صحابی کا قول چاہتا ہوں قبول کرتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں مگر ان سب کے اقوال سے باہر جا کر کسی کا قول نہیں لیتا۔ رہے دوسرے لوگ تو جس طرح اجتہاد کا حق انہیں ہے مجھے بھی ہے"۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۳ صـ ۳۶۸)

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے بعض لوگوں کے اکسانے پر امام ابو حنیفہ کو لکھا کہ میں نے سنا ہے آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ جواب میں امام صاحب نے لکھا:

"امیر المومنین آپ تک جو بات پہونچی ہے وہ صحیح نہیں ہے میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر پھر ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے فیصلوں پر پھر باقی صحابہ کے فیصلوں پر البتہ جب صحابہ میں اختلاف ہو تو پھر قیاس کرتا ہوں"۔ (میزان شعرانی جلد ۱ صـ ۶۲)

یہ اور اسی طرح کے دیگر متعدد اقوال ہیں جن میں امام صاحب کے اپنے الفاظ میں وہ مسلک ہمارے سامنے آتا ہے جو حدیث سے استناد کے معاملے میں امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا ہوا تھا کسی کے کلام کی کوئی تعبیر وہی درست اور صحیح سمجھی جاتی ہے جو متکلم نے خود بتلائی ہو ان اقوال کی موجودگی میں جو شخص یہ کہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث سے بے نیاز ہو کر مسائل فقہی کا محض قیاس کی بنیاد پر استنباط کیا کرتے تھے وہ امام صاحب پر افترا پردازی کرتا ہے۔ ایک مرتبہ جب امام ابو حنیفہ کے سامنے کسی کا لگایا ہوا یہ الزام نقل کیا گیا کہ آپ قیاس کو نص پر ترجیح دیتے ہیں تو اس پر آپ نے فرمایا:

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص پر ترجیح دیتے ہیں وہ بخدا جھوٹ کہتا ہے اور افترا پردازی سے کام لیتا ہے نص کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت ہی کیا ہے"۔

(میزان شعرانی جلد ۱ صـ ۶۱)

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث کے مقابلے میں قیاس کو ہرگز ترجیح نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے یہاں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ انہوں نے ضعیف احادیث تک کو قیاس کے مقابلے میں قابل ترجیح سمجھا ہے مثال کے طور پر حالت سفر میں نبیذ کے ساتھ وضو کرنے کی

Marfat.com

جازت پر مشتمل حدیث کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام صاحب نے اس حدیث کو قیاس پر ترجیح دی ہے اسی طرح جب چور دس درہم سے کم چرائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا حالانکہ اس کے بارے میں وارد شدہ حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:

"اصحاب ابی حنیفہ کا اس امر پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس و رائے سے افضل ہے۔" (اعلام الموقعین)

غرض اب تک کی گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ منکرین حدیث کی نہ یہ بات صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ نے مسائل فقہی کے استنباط کے لیے صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثوں پر اعتماد کیا ہے اور نہ ان کی یہ بات ہی درست ہے کہ امام صاحب حدیث سے بے نیاز ہو کر محض قیاس اور قرآن پر اپنے مسائل کا مدار رکھتے تھے اس طرح امام ابو حنیفہ کے بارے میں انکا سارا اعتراض ہی بے بنیاد ہے۔

اس کے ساتھ ہی الحمد للہ منکرین حدیث کے ان تمام اعتراضات کا جواب مکمل ہو جاتا ہے جن کا زیر نظر عنوان کی ابتدا کرتے وقت ہم نے حوالہ دیا تھا اور اسی کے ساتھ ہی الحمد للہ یہ کتاب اپنے اختتام کو پہونچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو مصنف ناشرین اور قارئین سب کے لیے ہدایت کا ذریعہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

محمد یحییٰ

۳ر مارچ سنہ ۱۹۷۹ عیسوی
۴ر ربیع الثانی سنہ ۱۳۹۹ ہجری

Marfat.com

مصادر و ماخذ

القرآن الکریم

تفسیر قرطبی

تفسیر طبری مطبوعہ مصر

تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع طبع کراچی

الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی
مطبوعہ سہیل اکیڈیمی پاکستان

احکام القرآن ابوبکر جصاص

الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم
طبع قاہرہ ۱۳۴۵ھ

صحیح بخاری

صحیح مسلم

جامع ترمذی

سنن ابوداؤد

سنن نسائی

سنن ابن ماجہ

سنن دارمی

مؤطا امام مالک

مسند امام احمد بن حنبل

مشکواۃ المصابیح للخطیب

مستدرک حاکم مطبوعہ حیدرآباد دکن

کنز العمال شیخ علی متقی برہان پوری
مطبوعہ حیدرآباد دکن

الادب المفرد للبخاری مطبوعہ قاہرہ مصر

معالم السنن للخطابی مطبوعہ حلب

صحیح ابن حبان

مشکل الآثار امام طحاوی مطبوعہ حیدرآباد دکن

صحیفہ ہمام ابن منبہ مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ
طبع حیدرآباد دکن

مجمع الزوائد للہیثمی مطبوعہ قاہرہ

کتاب العلل امام ترمذی

فتح الباری ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مصر

عمدۃ القاری علامہ عینی مطبوعہ قاہرہ مصر

شرح مسلم امام نووی طبع قاہرہ

مسوی شرح مؤطا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
مطبوعہ مکہ مکرمہ

تذکرۃ الموضوعات محمد بن طاہر المقدسی
طبع مصر ۱۳۲۳ھ

معرفۃ علوم الحدیث للحاکم طبع قاہرہ

الموافقات امام شاطبی طبع تونس ۱۳۰۲ھ

تلقیح ابن جوزی

Marfat.com

صید الخواطر ابن جوزی

تہذیب النووی

شروط الائمۃ الخمسہ للحازمی طبع قاہرہ

المیزان للشعرانی طبع قاہرہ

المحدث الفاصل رامہرمزی

زاد المعاد ابن قیم مطبوعہ مصر

تاویل مختلف الحدیث ابن قتیبہ طبع قاہرہ

الرسالۃ للامام الشافعی طبع اوّل ۱۳۵۸ھ

فتح المغیث امام سخاوی طبع قاہرہ ۱۳۵۵ھ

تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ

اعلام الموقعین ابن قیم طبع ۱۳۷۳ھ

توجیہ النظر شیخ طاہر الجزائری طبع مصر ۱۳۲۸ھ

تقیید العلم خطیب بغدادی طبع دمشق ۱۹۴۹ء

جامع بیان العلم ابن عبد البر مطبعہ منیریہ مصر

السنۃ قبل التدوین محمد عجاج الخطیب طبع مصر

الرسالۃ المستطرفہ للکتانی کارخانہ کتب کراچی

قواعد التحدیث شیخ ابوالحسن حنبلی طبع دمشق ۱۳۵۲ھ

علوم الحدیث و مصطلحہ ڈاکٹر صبحی صالح طبع دمشق ۱۳۷۹ھ

السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی

حجیت حدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی طبع لاہور

ترجمان السنہ مولانا بدر عالم طبع کراچی

تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی طبع کراچی

ترجمان القرآن منصب سالت نمبر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی طبع لاہور

تفہیمات مولانا ابوالاعلیٰ مودودی طبع لاہور

تاریخ الحدیث مولانا عبد الصمد صارم طبع لاہور

شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید طبع مصر

ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی طبع کراچی

تذکرۃ الحفاظ للذہبی مطبوعہ دمشق

تدریب الراوی للسیوطی مکتبہ قاہرہ مصر ۱۳۷۹ھ

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ابن اثیر جزری طبع قاہرہ ۱۲۸۶ھ

الاصابہ فی تمییز الصحابہ حافظ ابن حجر مطبوعہ مصر

طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت

لسان المیزان حافظ ابن حجر مطبوعہ حیدرآباد دکن

البدایۃ النہایۃ ابن کثیر مطبعۃ السعادۃ قاہرہ ۱۳۵۱ھ

وفیات الاعیان ابن خلکان مطبعۃ المیمنیۃ مصر

سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر

کشف الظنون حاجی خلیفہ طبع مصر ۱۲۷۴ھ

انساب الاشراف علامہ بلاذری

الکامل فی التاریخ ابن اثیر جزری مطبوعہ مصر

جوامع السیر ابن حزم

تاریخ الکبیر امام بخاری مطبوعہ حیدرآباد دکن

معجم صغیر، اوسط، کبیر طبرانی ۔ تاریخ طبری مطبوعہ مصر

تاریخ بغداد خطیب بغدادی مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ

تاریخ دمشق حافظ ابن عساکر

Marfat.com

Marfat.com

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی

حفاظت و حُجّیتِ حدیث

جس میں

حدیث کی حفاظت اور اس کی حُجّیت سے متعلق تمام شکوک و شبہات کا نہایت اطمینان بخش جواب دیا گیا ہے۔

از

مولانا محمّد محترم فہیم عثمانی

دارُالکتب

مسجد مقدّس دھوبی منڈی پرانی انارکلی لاہور

Marfat.com